بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

معراجِ عبدیت

مجد دِدوراں غوثِ زماں مفتی سوادِاعظم رئیس المحققین امام المتکلمین
تاجدارِ اہلسنت شیخ الاسلام سلطان المشائخ علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی

تلخیص وتحشیہ
ملک التحریر علامہ مولانا محمد یحییٰ انصاری اشرفی

شیخ الاسلام اکیڈمی حیدرآباد (رجسٹرڈ)
(مکتبہ انوار المصطفیٰ 23-2-75/6 مغلپورہ۔حیدرآباد-اے پی)

﴿ بہ نگاہ کرم مجد دِ دوراں، غوثِ زماں، مفتی سوادِ اعظم، تاجدارِ اہلسنت، امام المتکلمین مفسر اعظم حضور شیخ الاسلام سلطان المشائخ رئیس المحققین علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی ﴾

نام کتاب : معراجِ عبدیت

خطبہ : تاجدارِ اہلسنت حضور شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی حفظہ اللہ

(منعقدہ ایوان عالی حیدرآباد رجب المرجب ۱۳۹۵ ہجری)

تلخیص وتحشیہ : ملک التحریر علامہ محمد یحییٰ انصاری اشرفی

تصحیح ونظر ثانی : خطیب ملت مولانا سید خواجہ معزالدین اشرفی

ناشر : شیخ الاسلام اکیڈمی حیدرآباد (دکن)

اشاعت اُول : مارچ ۲۰۰۷ تعداد : ۵۰۰۰ (پانچ ہزار)

قیمت : 20 روپیئے

فہرست مضامین

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

صَلِّ عَلیٰ نَبِیِّنَا صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ　　صَلِّ عَلیٰ شَفِیۡعِنَا صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّد
مَنَّ عَلَیۡنَا رَبُّنَا اِذۡ بَعَثَ مُحَمَّدًا　　اَیَّدَہٗ بِاَیۡدِہٖ اَیَّدَنَا بِاَحۡمَدًا
اللہ نے ہم پر احسان فرمایا کہ حضور ﷺ کو مبعوث فرمایا　　اپنی تائید سے آپ کی مدد فرمائی حضور احمد مجتبیٰ سے ہماری مدد فرمائی
اَرۡسَلَہٗ مُبَشِّرًا اَرۡسَلَہٗ مُمَجَّدًا　　صَلُّوۡا عَلَیۡہِ دَآئِمًا صَلُّوۡا عَلَیۡہِ سَرۡمَدًا
اللہ نے آپ کو خوشخبری دینے والا اور باکرامت بنا کر بھیجا　　اے مسلمانو تم آپ پر ہمیشہ ہمیشہ درود پڑھتے رہو

صَلِّ عَلیٰ نَبِیِّنَا صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ

آیئے کام کچھ کریں آج ملائکہ کے ساتھ　　نام ہو اولیاء کے ساتھ، حشر ہو انبیاء کے ساتھ
شغل وہ ہو کہ شغل میں کردے ہمیں خدا کے ساتھ　　پڑھئے درود جھوم کر سیّد خوش نوا کے ساتھ

صَلِّ عَلیٰ نَبِیِّنَا صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ

اے میرے مولیٰ کے پیارے　　نور کی آنکھوں کے تارے
اب کسے سیّد پکارے　　تم ہمارے ہم تمہارے

یا نبی سلام علیک　یا رسول سلام علیک

(حضور محدث اعظم ہند علامہ سید محمد اشرفی جیلانی قدس سرہٗ)

معراج النبی ﷺ

الحمد لله رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ من کان نبیاً واٰدم بین المآء والطین وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین . أما بعدُ فقد قال الله تعالیٰ ﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ﴾ (الاسراء۔بنی اسرائیل/۱)

(ہر عجز و نا توانی اور عیب سے) پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے محبوب بندے کو سیر کرائی' رات کے قلیل حصہ میں مسجد حرام (کعبۃ اللہ شریف) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک۔ بابرکت بنادیا ہم نے جس کے گردونواح (اطراف) کوتا کہ ہم دِکھائیں اپنے بندے کو اپنی قدرت کی نشانیاں۔ بیشک وہی سب کچھ سننے والا سب کچھ دیکھنے والا ہے۔

بارگاہِ رسالت میں دُرود شریف پیش فرمائیں **اللھم صل علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ آل سیدنا محمد کما تحب وترضی بان تصلی علیہ**

وہ میری جان بھی جان کی جان بھی' میرا ایمان بھی روحِ ایمان بھی
مہبطِ وحیِ آیات بھی اور قرآن بھی' روحِ قرآن بھی
نورو بُشریٰ کا یہ امتزاج حسین جیسے انگشتری میں چمکتا نگیں
عالمِ نور میں نورِ رحمٰن بھی' عالمِ انس میں پیکرِ انسان بھی
مجھ سے مت پوچھ معراج کا واقعہ ہے مشیت کے رازوں کا اک سلسلہ
دل کو ان کی رسائی پہ ایمان بھی' عقل ایسی رسائی پہ حیران بھی
کیا بتاؤں قیامت کا میں ماجرا' رحمتوں غفلتوں کا ہے اک معرکہ
دل کو انکی شفاعت پہ ایمان بھی' عقل اپنے کئے پر پشیمان بھی
ناز سے ایک دن آپ نے یہ کہا' یہ بتا طائر سدرۃ المنتہیٰ
ہے تیرے سامنے عالمِ کُن فکاں' تو نے پائی کسی میں مری شان بھی
بولے یہ حضرت جبرئیل امیں' اے نگاہِ مشیت کے زہرہ جبیں
ہو ترا مثل کوئی کبھی اور کہیں' رب نے رکھا نہیں اسکا امکان بھی

☆☆☆ **واقعہ معراج کا پس منظر** : آیت کریمہ کی تشریح سے قبل انتہائی اختصار کے ساتھ آپ کے سامنے واقعہ معراج اور پس منظر کو پیش کیا جاتا ہے تاکہ تفاصیل کے سمجھنے میں سہولت وآسانی ہو سکے۔ اس آیت کریمہ میں حضور فخر موجودات سید کائنات ﷺ کے ایک عظیم الشان معجزہ کو بیان کیا گیا ہے۔ جس روز صفا کی چوٹی پر کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے اور برگزیدہ رسول نے قریش مکہ کو دعوتِ توحید دی تھی اسی روز سے عداوت وعناد کے شعلے بھڑکنے لگے تھے۔ ہر طرف سے مصائب وآلام کا سیلاب اُمڈ کر آ گیا تھا۔ رنج وغم کا اندھیرا دن بدن گہرا ہوتا چلا جاتا تھا لیکن اس تاریکی میں حضور نبی کریم ﷺ کے شفیق چچا ابوطالب اور ام المؤمنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا وجودِ مسعود ہر نازک مرحلہ پر تسکین وطمانیت کا سبب بنا کرتا تھا۔ بعثتِ نبوی کے دسویں سال مہربان وشفیق چچا نے وفات پائی۔ اس جانکاہ صدمہ کا زخم ابھی مندمل نہ ہونے پایا تھا کہ مونس وہمدم دانشور عالی حوصلہ رفیقہ حیات سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا بھی داغِ مفارقت دے گئیں۔ کفارِ مکہ کو اب اُن کی انسانیت ساز کارستانیوں سے روکنے والا اور اُن کی سفاکانہ رَوش پر ملامت کرنے والا بھی کوئی نہ رہا جس کے باعث اُن کی ایذاء رسانیاں ناقابلِ حد تک بڑھ گئیں۔

حضور نبی کریم ﷺ اہلِ مکہ سے مایوس ہو کر طائف تشریف لے گئے۔ شاید وہاں کے لوگ اس دعوتِ توحید کو قبول کرنے کے لئے آمادہ ہو جائیں لیکن وہاں جو ظالمانہ اور بہیمانہ برتاؤ کیا گیا اس نے سابقہ زخموں پر نمک پاشی کا کام کیا۔ ان حالات میں جب بظاہر ہر طرف مایوسی کا اندھیرا پھیل چکا تھا اور ظاہری سہارے ٹوٹ چکے تھے رحمتِ الٰہی نے اپنی عظمت وکبریائی کی آیات بینات (قدرت الٰہی کی نشانیوں) [نشانیوں کی تفصیلات میں انبیاء سابقین سے ملاقات مسجد اقصیٰ میں تمام انبیاء وسابقین کی امامت ملاء اعلیٰ کے فرشتوں سے ہمکلامی آسمانوں کے عجائب وغرائب کا معائنہ جنت ودوزخ کی سیر، سدرۃ المنتہیٰ اور عرش اعظم کا مشاہدہ اور سب سے بڑھ کر لا مکان تک عروج اور ذات کبریا کا دیدار یہ ساری چیزیں شامل ہیں] کا مشاہدہ کرنے کے لئے اپنے محبوب کو عالمِ بالا کی سیاحت کے لئے بُلایا، تاکہ حضور ﷺ کو اپنے رب کریم کی تائید ونصرت پر حق الیقین ہو جائے اور حالات کی ظاہری ناسازگاری خاطر عاطر کو کسی طرح پریشان نہ کر سکے۔

غور کیا جائے تو سفر اسریٰ کے لئے اس سے موزوں ترین اور کوئی وقت نہیں ہوسکتا تھا۔

نبوت کے بارہویں سال ۲۷ رجب دوشنبہ کی رات حضور نبی کریم ﷺ اپنی چچا زاد ہمشیرہ اُم ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر آرام فرما تھے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام پچاس ہزار فرشتوں کی جماعت اور جنتی براق لئے حاضر ہوتے ہیں حضور سید المرسلین رحمۃ للعالمین ﷺ محوِ استراحت ہیں جبریل علیہ السلام ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوجاتے ہیں اور سوچ رہے ہیں کہ اگر آواز دے کر جگایا تو یہ بے ادبی ہے اور یہ:

ادب گاہسیت زیرآسمان ازعرش نازک تر　　نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

پروردگارِ عالم نے فرمایا: **یاجبریل قبل قدمیہ** اے جبریل ! میرے محبوب کے دونوں پاؤں چُوم لے۔

خدائے برتر وبالا ہمیں پتہ کیا ہے　　ترے حبیب مکرم کا مرتبہ کیا ہے
جبینِ حضرت جبریل پر کف پا ہے　　ہے ابتداء کا یہ عَالَم تو انتہا کیا ہے

جبریل علیہ السلام نے اپنی کافوری آنکھیں اور ہونٹ حضور ﷺ کے مبارک قدموں پر رکھ دیئے۔ سید عالم ﷺ بیدار ہوئے تو جبریل علیہ السلام نے ارادۂ خداوندی سے آگاہی بخشی **ان اللہ اشتاق الی لقائك یارسول اللہ** اللہ تعالیٰ آپ کی ملاقات کا مشتاق ہے۔

آپ اندازہ فرمائیں کہ جن کے پاؤں کو بوسے دینے والا جبریل امین ہو جو تمام فرشتوں کا سردار ہے اور مشتاقِ ملاقات تمام کائنات کا خالق و مالک ہو اس کی شان کا اندازہ کون کرسکتا ہے۔

نوشۂ بزم جنت کی تیاری: حضور نبی کریم ﷺ نے ارادۂ طہارت فرمایا تو داروغہ جنت آبِ کوثر کی دوصراحیاں لے کر حاضر ہوگیا۔ آبِ کوثر سے غسل دیا گیا۔ غسل کے بعد آپ نے نورانی جوڑا زیب تن فرمایا، تو پھر شبِ اسریٰ کی جلوہ ریزیوں کا عالم کچھ اور ہی ہوگیا:

شبِ اسریٰ کے دولہا پہ دائم دُرود　　نوشۂ بزمِ جنت پہ لاکھوں سلام

حضور نبی مکرم ﷺ، حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا بنت ابو طالب کے گھر سے اُٹھے اور حطیم مسجد الحرام (کعبۃ اللہ شریف) تشریف لائے۔ چاہ زمزم کے قریب آپ کا شقِ صدر ہوا (سینۂ مبارک کو چاک کیا گیا) یہ منظر اور رسول کا معجزہ دیکھو کہ سینہ شق ہوگیا ہے ایک قطرہ

خون نہیں نکلا۔ قلبِ اطہر میں ایمان وحکمت سے بھرا ہوا طشت انڈیل دیا گیا اور پھر سینئہ مبارک درست کر دیا گیا...... باقاعدہ معراج کی ابتداء مسجد حرام سے ہوئی ہے۔

براق : حرم سے باہر تشریف لائے تو سواری کے لئے ایک جانور پیش کیا گیا جو براق کے نام سے موسوم ہے۔ یہ براق جنت میں حضور ﷺ کے عشق میں رو رہا تھا جبریل امین نے ستر ہزار براق دیکھے۔ ہر براق آرزو رکھتا تھا کہ حضور ﷺ کی سواری کے لئے مجھے منتخب کیا جائے۔ جبریل امین سوچ رہے تھے کہ کون سا براق لے جاؤں' ہر براق ایک دوسرے سے حسین ہے۔ اسی اثناء میں جبریل امین کی نظر ایک براق پر پڑی جو سر جھکائے زار وقطار رو رہا ہے۔ جبریل امین نے کہا کیوں رو رہا ہے؟ آج تو اللہ کے محبوب کی آمد ہے۔ کائنات ارضی وسماوی کا ذرّہ ذرّہ جھوم رہا ہے۔ براق نے کہا: میری منزل بھی وہی ہے جس کے باقی براق طالب ہیں۔ منزل ایک ہے اور راستے دو۔ کوئی ہنس کر محبوب کو منا لیتا ہے اور کوئی رو کر۔ میں اپنی منزل کو پانے کے لئے رو رہا ہوں شاید میرا رونا ہی قبول ہو جائے۔ براق کا رونا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پسند آ گیا۔ جس وقت حضرت جبریل علیہ السلام نے اس براق کو خوشخبری سنائی کہ تمہیں حضور ﷺ کی سواری کے لئے منتخب کر لیا گیا' محبتِ رسول میں تمہارا رونا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پسند آ گیا ہے تو براق کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس میں حسن آ گیا جس کی مثال پیش نہیں کی جا سکتی۔ اس براق پر جب حضور ﷺ سوار ہوئے تو اُسے اپنی قسمت پر وجد آ گیا اور اپنے مقدر پر ناز کرنے لگا۔

اُمت کی یاد : حضور ﷺ نے براق پر سوار ہونے سے پہلے ذرا توقف فرمایا تو جبریل نے عرض کی: یا حبیب اللہ ﷺ: اس توقف کا کیا سبب ہے؟ آپ نے فرمایا: میں سوچ رہا ہوں کہ آج میرے اُوپر نوازشات کا خصوصی وقت ہے ملائکہ میری خدمت کے لئے حاضر ہیں' جنتی براق میری سواری کے لئے موجود ہے' حشر کے دن میری اُمت کا کیا حال ہوگا' پُل صراط جو پچاس ہزار سال کی راہ ہے' بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہے اور ہر ایک کو اس سے گذرنا ہے **وان منکم الا واردھا وکان علیٰ ربك حتما مقضیا** میری اُمت اس سفر کو کیسے طے

کرے گی؟ اسی وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت دی گئی' اے محبوب ! آپ اُمت کا ہرگز فکر نہ کیجئے ہم آپ کی اُمت کو پُل صراط سے یوں گزار دیں گے کہ انھیں معلوم نہ ہوگا۔

اس واضح بشارت کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام براق پرسوار ہوئے۔ جبریل امین نے رکاب تھامی' میکائیل نے لگام پکڑی' اسرافیل نے زین کوسنبھالا۔ پچاس ہزار فرشتوں کی صلوٰۃ وسلام کی صداؤں سے فضا گونج اُٹھی۔ وہ بھی کیا سماں ہوگا' بلانے والا بھی نور ہے' سواری بھی نور ہے' سوار ہونے والا بھی نور ہے' دولہا بھی نور اور باراتی بھی نور۔

براق کی رفتار: اُس براق کی تیز رفتاری کا یہ عالم تھا کہ جہاں نگاہ پڑتی تھی وہاں قدم رکھتا تھا۔ ہماری نگاہ کا یہ عالم ہے کہ جونہی اُوپر اُٹھائی آن کی آن میں سورج' چانداور ستاروں تک جا پہنچی۔ یہ کرۂ ارض سے کروڑوں میل دور ہیں۔ہم خاکی ہیں اور ہماری آنکھوں میں تھوڑا سا نور ہے اور جو مجسم نور ہے اس کی نگاہ کا کیا عالم ہوگا !

روانگیِ جلوس: سید عالم ﷺ کی سواری نہایت شان وشوکت سے ملائکہ کے جلوس میں مسجد حرام سے نکلی۔ آسمانوں کے دریچے کھول دیئے گئے تاکہ ملاء اعلیٰ کی دُنیا بھی حضور ﷺ کے جلوس کے دِیدار سے مشرف ہوسکے۔

مدینہ منورہ : ابتدائے سفر میں چندلمحوں بعد ایک وادی آئی جس میں کھجور کے بے شمار درخت تھے۔ جبریل امین نے عرض کیا' حضور ! یہاں اُتر کر دو رکعت نفل ادا کریں۔ آپ کی ہجرت گاہ مدینہ طیبہ ہے۔

وادیِ ایمن: پھر ایک وادی سے گذر ہوا۔ جبریل امین نے عرض کیا یہ وادیِ ایمن ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کوشرفِ کلام بخشا۔

سُرخ ٹیلہ : حضرت انس رضی اللہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے میں معراج کی رات ایک سرخ ٹیلے سے گذرا تو میں نے دیکھا کہ وہاں موسیٰ علیہ السلام کی قبر ہے اور وہ اپنی قبر میں کھڑے ہوکر نماز پڑھ رہے ہیں **رایت موسیٰ یصلی فی قبرہٖ**۔

(یہاں اعتراض کیا جاتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جب اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے تو مسجد اقصیٰ میں

انبیاء کرام میں کیسے شامل ہوئے اور اتنی جلدی چھٹے آسمان پر کیسے پہنچ گئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام بیک وقت اپنی قبر میں بھی تھے اور مسجد اقصیٰ میں بھی اور چھٹے آسمان پر بھی۔ اور یہ مسئلہ مسلمہ ہے کہ انبیاء بیک وقت کئی مقامات پر موجود ہو سکتے ہیں اس کے لئے بے شمار دلائل موجود ہیں)

انبیاء کی امامت : حضور ﷺ براق پر سوار ہو کر بیت المقدس آئے اور جس حلقہ سے انبیاء کی سواریاں باندھی جاتی تھیں براق کو بھی باندھ دیا گیا۔ حضور نبی کریم ﷺ مسجد اقصیٰ میں تشریف لے گئے جہاں جملہ انبیاء سابقین حضور ﷺ کے لئے چشم براہ تھے۔ مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) میں تمام انبیاء علیہم السلام نے حضور اکرم ﷺ کی اقتداء کی، حضور ﷺ سب کے امام بنے اور تمام انبیاء مقتدی بن کر پیچھے نماز ادا کئے، اس طرح **لتؤمنن به** کا جو عہد روزِ اول ارواحِ انبیاء سے لیا گیا تھا (کہ تم میرے محبوب پر ضرور ایمان لانا) کی تکمیل ہوئی۔ یہاں یہ امر پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ مسجد اقصیٰ میں جو نماز حضور ﷺ نے پڑھائی اور انبیاء کرام مقتدی تھے یہ رُوحانی نہیں جسمانی نماز تھی یعنی تمام انبیاء اپنے جسموں کے ساتھ موجود تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ معراج جسمانی تھا۔ خصائص الکبریٰ میں ایک حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ معراج کی رات حضور ﷺ کو کچھ احباب ملے۔ انھوں نے ان الفاظ میں آپ پر سلام پڑھا: **السلام علیك یا اول السلام علیك یا اٰخر السلام علیك یا حاشر** ۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کیا حضور یہ سلام کرنے والے حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام تھے۔ معلوم ہوا کہ انبیائے سابقہ بھی آپ کو اول اور آخر کہہ کر پکارتے تھے۔

امام اہلسنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

نمازِ اقصیٰ میں تھا یہی سر عیاں ہوں، معنی اول آخر ۔۔۔ کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر جو سلطنت آگے کر گئے تھے

مسجد حرام (کعبۃ اللہ شریف) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) کے اس سفر کو اسریٰ کہا جاتا ہے۔ مسجد حرام سے بیت المقدس تک تشریف لے جانا تو قطعی ہے قرآن سے ثابت ہے لہذا مطلقاً معراج کا انکار کفر ہے اور زمین سے آسمان تک اور اُس کے آگے احادیث مشہورہ سے ثابت ہے اس کا انکار بدعت و گمراہی ہے۔

مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) سے آسمان کی طرف پرواز (عروج) :

مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) میں نماز پڑھانے کے بعد حضور نبی کریم ﷺ براق پر سوار ہوئے اور آنِ واحد میں آسمان پر پہنچے۔ دربانِ آسمان نے دروازہ کھولا اور رحمۃ للعالمین ﷺ نے پہلے آسمان کو قدوم میمنت لزوم سے مشرف فرمایا تو ہر طرف سے مسرت وشادمانی کی لہر دوڑ گئی۔ مختلف طبقاتِ آسمانی پر مختلف انبیاء سے ملاقاتیں ہوئیں۔ پہلے آسمان پر آپ نے ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام کو شرفِ زیارت بخشا۔ آپ کو دیکھتے ہی انہوں نے فرمایا: **مرحبا بالنبی الصالح والابن الصالح** اے نبی صالح خوش آمدید اور اے فرزند دلبند مرحبا کے محبت بھرے کلمات سے استقبال کیا۔ حضور ﷺ وہاں سے دوسرے آسمان پر تشریف لے گئے جہاں آپ کی ملاقات حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ہوئی۔ تیسرے آسمان پر حضرت یونس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام سے، پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ السلام سے، چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ ساتویں آسمان پر اپنے جدِّ کریم ابوالانبیاء سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے **مرحبا بالنبی الصالح والابن الصالح** یعنی اے نبی صالح خوش آمدید اور اے فرزند دلبند مرحبا کے محبت بھرے کلمات سے استقبال کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت المعمور سے پشت لگائے بیٹھے تھے۔

حضور نبی کریم ﷺ کی تمام انبیاء علیہم السلام سے ملاقات مسجد اقصیٰ میں ہوئی، وہ اپنے اپنے مزارات مقدسہ میں بھی موجود تھے۔ انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کی، اس کے بعد آسمانوں پر بھی اُن میں سے اولوالعزم انبیاء کرام علیہم السلام نے آپ سے ملاقات کی سعادت حاصل کی۔ ان شواہد سے معلوم ہوا کہ مقبولانِ بارگاہِ ایزدی کو خداوند قدوس نے یہ طاقت عطا فرما رکھی ہے کہ وہ بیک وقت متعدد مقامات پر جلوہ افروز ہو سکتے ہیں اور یہی عقیدہ اہل سنت و جماعت کا ہے۔

سدرۃ المنتہیٰ : امام الانبیاء ﷺ ساتوں آسمانوں کے طرح طرح کے عجائب وغرائب مشاہدہ وملاحظہ فرمانے کے بعد آگے بڑھے اور سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے جو انوارِ ربّانی کی تجلی گاہ تھی جس کی کیفیت الفاظ کے پیمانوں میں سمانہیں سکتی۔ اس منزل پر پہنچ کر جبرئیل علیہ السلام نے ایک معروضہ پیش کیا، جس کو شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زبان میں یوں فرمایا ہے:

اگر یک سرموئے برتر پرم فروغ تجلی بسوزو پرم

یارسول اللہ ﷺ ! اگر ایک بال کے برابر بھی آگے بڑھ جاؤں گا تو تجلی کے فروغ سے میرے پَر جل جائیں گے۔

جبریل رہنے دیجئے اب شوقِ رہنمائی سدرہ کے آگے کیا ہے سرکار جانتے ہیں

ایک یاد : معارج النبوۃ میں ملاّ معین کاشفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس وقت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکا جارہا تھا تو جبریل علیہ السلام نے حاضر ہوکر عرض کیا **هل لك حاجة یاابراهیم** میں خادم کی حیثیت سے حاضر ہوا ہوں کوئی حکم ہوتو فرمائیے۔ آپ نے فرمایا: **اما الیك فلا** تیرے ساتھ کوئی حاجت نہیں۔

جانتا ہے وہ مرارب جلیل آگ میں پڑتا ہے اب اس کا خلیل

آج جب جبریل علیہ السلام نے عرض کیا میں اس (سدرۃ المنتہیٰ) سے آگے نہیں جاسکتا تو حضور ﷺ نے چاہا کہ اس موقع پر اُس بات کا زبانی احسان اُتار دیا جائے جو جبریل امین نے ابوالانبیاء سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے کیا تھا۔ آپ نے جبریل امین سے فرمایا: **یاجبریل هل لك حاجة الی ربك** اے جبریل کوئی حاجت ہوتو عرض کریں، جو چاہے مانگ لو۔ **سَل ماشئت یاجبرئیل** جبریل جو چاہے مانگ لو۔ جبریل امین نے عرض کیا، حضور ! مجھے اس کی منظوری دلا دیجئے کہ جب آپ کی اُمت پُل صراط سے گذرنے والی ہوتو میں اپنے پروں کو بچھادوں اور آپ کی اُمت اُن کے اُوپر سے گذرجائے۔ حضور ﷺ نے منظوری دے دی۔ جبریل علیہ السلام کو اس بات کا بخوبی علم تھا کہ حضور ﷺ کو خوش کرنے کا طریقہ آپ کی اُمت کو خوش کرنے کے سوا اور کوئی نہیں۔ اس سے اس بات کا علم بھی ہوتا ہے

کہ آقائے دو جہاں ﷺ کی رضا اپنی اُمت کی فلاح، بہتری اور خوشی میں مضمر ہے۔ پُل صراط سے اُمت کیسے گذرے گی اس کا منظر بھی عجیب ہوگا۔ امام اہلسنت فاضل بریلوی فرماتے ہیں: پُل سے گذار وراہ گذر کو خبر نہ ہو جبریل پَر بچھائیں تو پَر کو خبر نہ ہو

سید عالم ﷺ دُعا فرمارہے ہوں گے :

رَبِّ سَلِّمْ اُمَّتِیْ رَبِّ سَلِّمْ اُمَّتِیْ یااللہ ! میری اُمت کوسلامتی سے گزار دے

رضا پُل سے اب وجد کرتے گذریئے کہ ہے رَبِّ سَلِّمْ صدائے محمد

سلسلۂ حجابات (مقام قاب قوسین) : سدرۃ المنتہٰی سے آگے بڑھے۔ کہاں تک گئے اُسے ماوشما کیا سمجھیں۔ زبانِ قدرت نے مقامِ قرب کا ذکر اس طرح کیا ہے کہ ﴿**ثُمَّ دَنَی فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنیٰ**﴾ (النجم/ ۸) (پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا پھر خوب اتر آیا تو اس جلوے اور اس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم) 'قاب قوسین' فاصلے کی اس مقدار کو کہتے ہیں جو دو کمانوں کے درمیان ہوتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ سے انتہائی قرب ووصال (قرب کی انتہائی صورت) کو اس عام فہم تمثیل سے سمجھایا ہے۔ وہاں کیا ہوا' یہ بھی میری اور آپ کی عقل کی رسائی سے بالاتر ہے۔ قرآن نے بتایا ہے کہ ﴿**فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآاَوْحٰی**﴾ (النجم/ ۱۰) پس اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ خاص کو وحی فرمائی جو وحی فرمائی (جو اللہ تعالیٰ نے چاہا وحی فرمائی) پھر شاہدِ مستورِ ازلی نے چہرہ سے پردہ اُٹھایا اور خلوت گاہ راز میں ناز ونیاز کے وہ پیغام عطا ہوئے جن کی لطافت ونزالت بارِ الفاظ کی متحمل نہیں ہوسکتی۔

رب تعالیٰ سے ہمکلامی : پھر خالقِ کائنات سے ہمکلامی کا شرف حاصل ہوا۔ آپ نے عرض کیا: **التحیات للہ والصلوٰۃ والطیبت** (میری تمام قولی، مالی اور بدنی عبادتیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں) رب تعالیٰ نے فرمایا: **السلام علیك ایها النبی ورحمة الله وبرکاته** (میرے محبوب ! تیرے لئے سلامتی' اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں [بطور تحفہ] ہیں)۔ حضور نبی کریم ﷺ نے اس سلام کو قبول فرمایا مگر ساتھ ہی اپنی اس سلامتی میں اپنی اُمت

کے گناہ گار لوگوں کو (اپنے ساتھ ملا کر) نیز نیکوکاروں کو بھی شامل کیا' عرض کیا: **السلام علینا وعلیٰ عباد اللہ الصالحین** (سلامتی ہو ہم پر (یعنی میرے ساتھ میری اُمت کے گناہ گاروں پر بھی) اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں پر) پھر بارگاہِ خداوندی میں سے جو کچھ عطا ہوا' وہ دینے والا اور لینے والا جانے۔

اُمت کی معراج : اسی مقام قرب اور گوشۂ خلوت (مقام قاب قوسین) میں دیگر انعاماتِ نفیسہ کے علاوہ حضور ﷺ کی اُمت کے لئے معراج عطا فرمایا اور وہ معراج ہے نماز۔ **الصلوٰۃ معراج المؤمنین** نماز مومن کے لئے معراج ہے۔ پچاس نمازیں عطا کئے گئے۔ حضور ﷺ واپس آئے تو راستے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کھڑے تھے۔ انھوں نے معروضہ پیش کیا کہ آپ کی اُمت اتنی نمازیں نہیں پڑھ سکے گی' رب تعالیٰ کی بارگاہ میں واپس جایئے اور کم کرایئے۔ حضور ﷺ پھر بارگاہِ رب العزت میں پہنچے اور تخفیف کے لئے التجا کی۔ پانچ نمازیں معاف ہوگئیں۔ واپس آئے تو پھر سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ابھی بہت زیادہ ہیں پھر جایئے۔ جاتے رہے اور آتے رہے' پانچ پانچ کم ہوتی رہیں۔ بالآخر نماز کی تعداد پانچ کر دی گئی اور ثواب پچاس کا ہی رہا۔

ایک سوال : جب اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ آخر میں نمازیں پانچ ہی رہ جائیں گی تو پہلے پچاس کیوں عطا فرمائیں؟ اس کے جواب کے لئے صرف اتنا سمجھ لینا ہی کافی ہے کہ پروردگارِ عالم یہ چاہتا تھا کہ میرے حبیب کو بار بار معراج ہو اور موسیٰ علیہ السلام کا کام بھی ہوتا رہے۔ موسیٰ وہ آنکھیں دیکھتے ہی رہیں جو محبوبِ حقیقی کو دیکھ کر آ رہی ہوں۔

موسیٰ علیہ السلام کی مدد : حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مسلمانوں کی مدد کی کہ پچاس نمازوں کی پانچ کرا دی۔ یہ مدد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی وفات سے تقریباً تین ہزار سال بعد کی۔ اب بھی اور ان شآء اللہ قیامت تک حضور انور ﷺ کے نام کی مدد سے کافر' مومن بنتے ہیں۔

جسمانی معراج : شرح عقائد میں لکھا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کو معراج جسمانی جاگنے میں ہوئی۔ صرف روحانی معراج کا قائل ہونا بدعت وگمراہی ہے۔ حضرت محقق شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ معراج میں حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو اپنی سَر کی آنکھوں سے دیکھا ہے جمہور صحابہ کا یہی مذہب ہے۔ ساتوں آسمانوں، جنت ودوزخ اور عرش وکرسی تک بلکہ اس سے بھی اُوپر حالت بیداری میں اپنے جسم کے ساتھ تشریف لے گئے۔ شہزادۂ حضور غوث اعظم مخدوم الملت محدث اعظم ہند سید محمد اشرفی جیلانی فرماتے ہیں:

اک قدم فرش پہ ہے ایک قدم عرش پہ ہے
ان کو نزدیک ہے جو دُور ہے سبحان اللہ

یہ سفر یوں نہیں کہ بھاگم بھاگ کرتے ہوئے حضور گئے ہوں اور اسی عجلت سے واپس آگئے ہوں، نہ کچھ دیکھا نہ سُنا بلکہ صحیفہ کائنات کے ہر ہر صفحہ پر گلشنِ ہستی کی ہر ہر پتی پر اللہ تعالیٰ کی قدرتِ عظمت، علم اور حکمت کے جتنے کرشمے تھے سب بے نقاب کر کے اپنے محبوب کو دکھا دیئے۔ اللہ تعالیٰ کا وہ قرب خاص حاصل ہوا کہ کسی نبی اور فرشتہ کو کبھی نہ حاصل ہوا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوا اور بلا واسطہ اللہ تعالیٰ سے کلام کیا، اسی کو 'معراج' کہتے ہیں :

غیب کیا چیز ہے ! دیکھ آئے ہیں وہ غیب الغیب یعنی وہ ذات جو مشہور ہے سبحان اللہ

امام اہلسنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود

سفرِ معراج سے واپسی : جب سید عالم ﷺ معراج سے واپس آئے تو ابھی یہاں رات کا سماں تھا، سپیدۂ سحر کا کہیں نام ونشان نہ تھا۔ زنجیر ابھی ہل رہی تھی، بستر گرم تھا اور وضو کا پانی بہہ رہا تھا۔ (تفسیر روح المعانی)

یہ مسافت بیشک بڑی طویل ہے۔ اس سفر میں پیش آنے والا ہر واقعہ بلا شبہ عجیب وغریب ہے اسی لئے وہ دِل جو نورِ ایمان سے خالی تھے انہوں نے اسے اسلام اور داعی اسلام کے خلاف سب سے بڑا اعتراض قرار دیا۔ کئی ضعیف الایمان لوگوں کے پاؤں ڈگمگا گئے،

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جن کے دِلوں میں یقین کا چراغ ضوفشاں تھا انھیں قطعاً کوئی پریشانی اور تذبذب نہیں ہوا۔ اور نہ دشمنانِ اسلام کی ہرزہ سرائی اور غوغا آرائی سے وہ متاثر ہوئے۔ ابوجہل نے یہ واقعہ سُنا تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا اور کہا کیا تم نے یہ سُنا ہے کہ محمد کیا کہتے ہیں؟ کیا یہ بات تسلیم کی جاسکتی ہے کہ اتنی جلدی بیت المقدس اور آسمانوں کا سفر طے کرلیا جائے۔ جب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس واقعہ کا ذکر کیا گیا تو آپ نے بلا جھجک جواب دیا کہ اگر میرے آقا و مولا نے ایسا فرمایا ہے تو یقیناً سچ ہے **لئن قال لصدق**۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ سے تصدیق کئے بغیر سفرِ معراج کی تصدیق کردی۔ اس صبح آپ 'صدیقِ اکبر' کے لقب سے سرفراز ہوئے یعنی 'سب سے بڑا تصدیق کرنے والا'۔ (معراج جسمانی کا قائل صدیق ہے اور منکر ابوجہل ہے)

قافلے : ابوجہل نے حضور ﷺ کو کہا کہ کیا آپ یہ بات پوری قوم کے سامنے بھی کہنے کے لئے تیار ہیں؟ آپ نے فرمایا: بیشک۔ ابوجہل نے کفار کو بُلایا' جب تمام قبائل جمع ہوگئے تو حضور نبی کریم ﷺ نے سارا واقعہ سنایا۔ انہوں نے تالیاں بجائیں اور تمسخر اُڑایا۔ ایک کافر نے کہا ہمیں معلوم ہے کہ آپ آج تک بیت المقدس نہیں گئے۔ بتایئے اس کے ستون اور دروازے کتنے ہیں؟ فوراً جبریل امین نے بیت المقدس کے سامنے کردیا اور حضور ﷺ نے ستون' دروازے سب بتادیئے۔ کفار نے کہا' ہوسکتا ہے کسی سے سُن کر یاد کرلیے ہوں' کوئی ایسی بات بتاؤ جو نئی ہو۔ ایک کافر نے کہا ہمارے تجارتی قافلے آنے والے ہیں۔ کیا آپ نے انہیں راستے میں کہیں دیکھا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں' تین قافلے دیکھے ہیں۔ پہلا قافلہ مقام روحا میں دیکھا ہے یہ قافلہ بدھ کے روز سورج غروب ہونے تک یہاں پہنچ جائے گا۔ میں نے دیکھا کہ اُن کا ایک اونٹ گم ہوگیا تھا اور وہ تلاش کررہے تھے۔ وہ سخت پریشان تھے میں نے انھیں آواز دی کہ فلاں جگہ اونٹ موجود ہے۔ وہ حیران ہوئے کہ یہاں محمد کی آواز کیسے؟ دوسرا قافلہ مقام ذی مرہ پر تھا۔ یہ قافلہ بدھ کے روز دوپہر تک یہاں پہنچ جائے گا۔ ان سے دو آدمی اونٹ پر سوار تھے

جب ان کے پاس میرا براق تیزی سے گذرا تو اونٹ ڈر گیا اور دونوں سواروں کو نیچے گرادیا۔ تیسرا قافلہ مقامِ تنعیم پر دیکھا۔ اس قافلے کے آگے آگے دھاری دار اونٹ چل رہا تھا۔ ایک شتر سوار کو سردی لگ رہی تھی اور وہ اپنے غلام سے کمبل مانگ رہا تھا۔ یہ قافلہ قریب آ گیا ہے۔ صبح سورج طلوع ہوتے ہی یہاں پہنچ جائے گا۔ چنانچہ جس طرح سید عالم ﷺ نے فرمایا بعینہٖ اسی طرح ہوا اور قافلوں کی آمد کے پروگرام میں ذرہ برابر فرق نہ آیا۔ پھر کفار نے قافلے والوں سے وہ نشانات دریافت کئے جو حضور ﷺ نے فرمائے تھے اور انہوں نے اس کی تصدیقیں کیں۔ بہت سے کفار نے اسلام قبول کیا۔

معیارِ تصدیق : اہلِ ایمان کے نزدیک کسی واقعہ کی صحت وعدم صحت کا انحصار اس پر نہیں تھا کہ ان کی عقل اس بارے میں کیا رائے رکھتی ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت بے پایاں کے سامنے کسی چیز کو ناممکن خیال نہیں کرتے تھے۔ اُن کا یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے جس طرح چاہے کرسکتا ہے۔ ہمارے وضع کیے ہوئے قواعد وضوابط اس کی قدرت کی بیکرانیوں کو محیط نہیں ہوسکتے اور جو اس واقعہ کی خبر دینے والا ہے وہ اتنا سچا ہے کہ اس کی صداقت کے متعلق شک وشبہ کیا ہی نہیں جا سکتا۔ جب اُس نے بتا دیا جس کی صداقت ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ اس قدرت والے نے ایسا کیا ہے جو **عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر** (ہر چیز پر قادر) ہے تو پھر وہ امکان وعدم امکان کے چکر میں کیوں پڑیں۔ اس لئے جب شبِ اسریٰ کی صبح کو حرم کعبہ میں نبی برحق ﷺ نے کفار کے بھرے مجمع میں اس عنایتِ ربّانی کا ذکر فرمایا تو لوگ دو حصوں میں بٹ گئے۔ بعض نے صاف انکار کر دیا اور بعض نے بلا چوں وچرا تسلیم کرلیا۔ یہ اُس زمانہ کا ذکر ہے جب یہ واقعہ پیش آیا۔ لیکن آج صورتِ حال قدرے مختلف ہے۔ ایک گروہ تو وہی منکرین کا ہے۔ دوسرا گروہ وہی ماننے والوں کا ہے لیکن اب تیسرا گروہ بھی نمودار ہوگیا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے اذہان اس منکر گروہ کی علمی اور مادی برتری کے حلقہ بگوش ہیں اور اِدھر اسلام سے بھی ان کا رشتہ ہے۔ نہ وہ اسلام سے رشتہ توڑنے پر رضامند ہیں اور نہ اپنے ذہنی مربیوں کے مزعومات ونظریات رَدّ کرنے کی

ہمت رکھتے ہیں۔ ناچار وہ اس واقعہ کی ایسی ایسی تاویلیں کرتے ہیں کہ واقعہ کا نام تو رہ جاتا ہے لیکن اس کے سارے حسن و جمال پر پانی پھر جاتا ہے اور اس کی معنویت کالعدم ہو جاتی ہے۔ یہ لوگ اپنے اس طریقہ کار پر بڑے مطمئن نظر آتے ہیں۔ وہ دِل میں یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے اسلام پر وارد ہونے والا ایک بہت بڑا اعتراض دور کردیا۔ اس لئے ہمیں مختصراً تینوں گروہوں کو ایسے دلائل فراہم کرنا ہیں کہ اگر وہ تعصب کو بالائے طاق رکھ کر ان سے فائدہ اُٹھانا چاہیں تو اُٹھا سکیں۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرت وعظمت اور اس کی شانِ کبریائی پر ایمان رکھتے ہیں اور حضور فخر موجودات باعثِ تخلیق کائنات سیدنا ومولانا محمد مصطفیٰ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا سچا رسول مانتے ہیں اُن کے لئے تو اقعہ معراج کی صداقت پر اس آیت کریمہ کے بعد مزید کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ اسی موقعہ پر اس آیت جلیلہ کی مختصر تشریح کی جاتی ہے۔ آیت کا آغاز 'سبحان' کے کلمہ سے کیا گیا۔

سُبْحَان کے معنٰی : 'سبحان' کے معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے عیوب ونقائص سے مبرا اور منزہ ہے۔ علامہ زمخشری لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمام ان کمزوریوں اور کوتاہیوں سے بالکل پاک اور منزہ ہے جن سے کفار اللہ تعالیٰ کو متہم کرتے تھے۔ علامہ آلوسی نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے حضور اکرم ﷺ کا جو ارشاد نقل کیا ہے وہ بھی اس معنی کی تائید کرتا ہے سبحان کے کلمہ سے یہ دعوی کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر عیب ونقص، کمزوری اور بے بسی سے پاک ہے۔ اس کے لئے دلیل کی ضرورت تھی کیونکہ کوئی دعوی دلیل کے بغیر قابلِ قبول نہیں ہوا کرتا۔ بطور دلیل ارشاد فرمایا **اَلَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ** کیونکہ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے اپنے محبوب بندے کو رات کے تھوڑے سے حصہ میں اتنا طویل سفر طے کرایا اور اپنی قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں اور آیاتِ بینات دکھائیں۔ جو ذات اتنے طویل سفر کو اتنے قلیل وقت میں طے کرا سکتی ہے واقعی اس کی قدرت بے پایاں اس کی عظمت بیکراں ہے اور اس کی کبریائی کے دامن پر کسی کمزوری اور بےبسی کا کوئی داغ نہیں۔ تو جس واقعہ کو

اللہ تعالیٰ نے اپنی سبحانیت کی دلیل کے طور پر ذکر فرمایا ہے وہ کوئی معمولی واقعہ نہیں ہوسکتا بلکہ کوئی بڑا اہم عظیم الشان اور محیر العقول واقعہ ہوگا۔ اس لئے معراج کا انکار کرنا گویا اللہ تعالیٰ کی قدرت اور سبوحیت کی ایک قرآنی دلیل کو منہدم کرنا ہے۔

اسریٰ کے معنٰی: 'اسریٰ' رات کو سیر کرانے کو کہتے ہیں۔ یہ سفر رات کے وقت ہوا لیکن اس سفر میں ساری رات ختم نہیں ہوئی بلکہ رات کے ایک قلیل حصہ میں بڑے اطمینان اور عافیت سے طے پایا۔ اسریٰ کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔ یہاں چند نکات نہایت ہی قابل توجہ ہیں:

(۱) اس واقعہ کو سفر کے بجائے سیر سے تعبیر فرمایا' کیونکہ سفر بعض اوقات مجبوراً کیا جاتا ہے جبکہ سیر بحالت خوشی و سرور ہی ہوتی ہے۔

(۲) سفر میں ضروری نہیں کہ انسان دورانِ سفر ہر شئے کو دیکھے' ہاں سیر میں اس کی نظر اشیاء کی طرف متوجہ رہتی ہے یہی وجہ ہے آپ ﷺ زمین کے اُوپر کے احوال سے ہی نہیں بلکہ اس کے نیچے کے حالات سے بھی آگاہ ہو رہے تھے مثلاً فرمایا: میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر کے پاس سے گذرا تو وہ اپنی قبر میں نماز ادا کر رہے تھے۔

(۳) سیر کرنے اور کروانے میں بھی زمین اور آسمان کا فرق ہے۔ جب آدمی خود سیر کرتا ہے تو ممکن ہے اس کی نگاہ سیر گاہ کی ہر شئے پر نہ جائے لیکن جب وہاں کا انچارج یا گائیڈ سیر کروائے گا تو پھر کسی شئے کے اوجھل رہ جانے کا امکان کہاں؟ مثلاً ہم عجائب گھر (میوزیم) جائیں اور وہاں کا سربراہ ہمیں سیر کروائے تو وہاں کا کونسا گوشہ اور چیز ہوگی جو ہمیں نہیں دِکھائے گا۔ بلکہ اس کی کوشش یہی ہوگی کہ کوئی چیز اَن دیکھی نہ رہ جائے۔

ذرا سوچئے جب سیر کروانے والی خود خالق کائنات کی ذات ہو اور وہ اپنے حبیب اکرم ﷺ کو سیر کروائے تو کائنات کا کونسا گوشہ ہوگا جو آپ کے سامنے نہ لایا گیا ہوگا؟

رات میں سیر کروانے کی حکمت: اہل علم و معرفت نے معراج کے لئے رات کے انتخاب کی بھی متعدد حکمتیں بیان کی ہیں۔ (۱) رات وقت خلوت ہے (۲) اہل ایمان کے ایمان بالغیب میں اضافہ اور منکرین کے لئے زیادہ آزمائش ہو (۳) رات کو دن پر

فضیلت بھی حاصل ہے کیونکہ ہر رات میں ایسی گھڑی آتی ہے جس میں دُعا قبول ہوتی ہے جب کہ سوائے جمعہ کے کسی دن کو یہ فضیلت حاصل نہیں (۴) رات پہلے جب کہ دن بعد میں آتا ہے (۵) نزولِ قرآن کی ابتداء رات میں ہوئی ﴿**انا انزلنه فی لیلة القدر**﴾ (۶) سب سے بڑی نعمت دیدارِ الٰہی ہے اور یہ بھی حضور انور ﷺ کو رات میں ہی نصیب ہوا۔ معراج کے علاوہ بھی متعدد انعامات و معجزات ایسے ہیں جو حضور ﷺ کو رات کے وقت عطا کئے گئے مثلاً معجزۂ شق القمر ہجرت رات کو ہوئی، غارِ ثور میں داخلہ اکثر طور پر حضور ﷺ سفر رات کو فرماتے، ارشادِ گرامی ہے: **علیکم بالدلجة فان الارض تطوی باللیل** رات کو سفر کیا کرو کیونکہ رات میں زمین لپیٹ دی جاتی ہے۔

'عبد' کے معنیٰ : اللہ تبارک و تعالیٰ نے سید عالم حضور نبی کریم ﷺ کو جن کمالات و امتیازات سے نوازا، ان میں سب سے بڑا امتیاز و کمال عبدیت کاملہ کا مقام ہے۔

عربی زبان میں **عبد** کا معنی غلام اور بندہ کے ہیں اور کسی کے **عبد** ہونے کو عبدیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ عبد کے معنی و مفہوم کے بارے میں عام لوگوں کے ذہن میں ایک غلط فہمی ہے کہ لفظ **عبد** کا اطلاق صرف انسان پر کیا جاتا ہے حقیقت یہ ہے کہ اپنی معنوی وسعت کے اعتبار سے لفظ **عبد** جملہ موجوداتِ کائنات کو محیط ہے کائناتِ ارضی و سماوی میں موجود ہر چیز بارگاہ رب العزت میں **عبد** کا درجہ رکھتی ہے۔ حضور ﷺ کو جسمانی معراج بیداری کی حالت میں ہوئی کیونکہ فرمایا گیا **بعبدہٖ** اپنے بندہ کو لے گیا اور بندہ جسم و رُوح دونوں کا نام ہے۔

عبادت کے لائق صرف خالق کائنات کی ذات ہے جب کہ خلقت کے اعتبار سے عالم ارضی اور عالم بالا سے تعلق رکھنے والی ہر چیز جن و انس، ملائکہ حیوانات، نباتات جمادات شجر و حجر غرض کہ کائنات بسیط کے ہر ہر گوشے میں پائی جانے والی ہر چیز اپنے خالق و مالک کے ساتھ رشتہ بندگی میں منسلک ہے۔

'**عبد**' کے معنی عابد بھی ہوتے ہیں اور غلام و خادم کے بھی ہوتے ہیں جب **عبد** کو اللہ تعالیٰ

کی طرف نسبت کیا جائے گا تو 'عبد' کے معنی عابد ہوں گے اور جب غیر اللہ کی طرف نسبت ہوگی تو معنی ہوں گے خادم وغلام ۔۔لہذا عبد النبی کے معنی نبی کا غلام قرآن کریم فرماتا ہے: حضور ﷺ کو حکم دیا گیا کہ ﴿قُلْ یٰعِبَادِیْ﴾ فرمادو (یعنی اپنی اُمت سے فرمادو) اے میرے بندو ﴿قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَاتَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۔اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا﴾ (الزمر/۵۳)

تم فرماؤ کہ اے میرے وہ بندو جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ۔اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نا اُمید و مایوس نہ ہو۔ بے شک اللہ سب گناہ بخش دیتا ہے۔

اس آیت میں ﴿یٰعِبَادِیْ﴾ سے مراد رسول اللہ ﷺ کے بندے ہیں یعنی غلام اور خادم کے معنوں میں بندے کہا گیا۔اب اس آیت کے یہ معنی ہوئے کہ اے محبوب فرمادو کہ اے میرے غلامو!۔

اب اس خطاب سے کفار خود بخود نکل گئے کیونکہ حضور ﷺ کے غلام اور خدام تو مسلمان ہی ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے' **ازالة الخفاء** 'میں حدیث نقل کی ہے کہ امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی نسبت فرمایا **کنت عبده وخادمه** میں حضور ﷺ کا بندہ اور خادم ہوں۔

صحابہ کرام نے بھی بارہا فرمایا کہ **کنت انا عبده وخادمه** میں حضور ﷺ کا عبد اور خادم ہوں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر **بعبده** کے لفظ سے فرمایا گیا۔جس کی متعدد حکمتیں ہیں۔ ان میں سے ایک تو یہ ہے حضور ﷺ کی بے مثل رفعتِ شان اور علو مرتبت کو دیکھ کر اُمت اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوجائے' جس میں عیسائی کمالات عیسوی کو دیکھ کر مبتلا ہو گئے تھے۔ اس کے علاوہ مفسرین نے لکھا ہے کہ جب حضور ﷺ بارگاہِ صمدیت میں مقامِ **قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنیٰ** پر فائز ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے دریافت فرمایا **بم اشرفك یا محمد** اے سراپا حمد وستائش ! آج میں تجھے کس لقب سے سرفراز کروں تو حضور ﷺ نے جواباً

عرض کی **بنسبتی الیك بالعبودیة** مجھے اپنا بندہ کہنے کی نسبت سے مشرف فرما۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے ذکر معراج کے وقت اسی لقب کو ذکر فرمایا جو اس کے حبیب نے اپنے لئے خود پسند فرمایا تھا۔

عبد کی اقسام :

اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق اس کی عبد ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا ہر شئے عبد ہے عبد کی تین قسمیں بیان کی گئی ہیں۔

عبد رقیق : اس سے مراد وہ مملوک غلام ہے جو پوری طرح اپنے مالک کے قبضہ اور اس کی ملک میں ہو۔عام مومنین خواہ عاصی ہوں یا مطیع سب اللہ تعالیٰ کے نزدیک بمنزلہ عبد رقیق کے ہیں (دائرہ اسلام میں داخل ہونے والے سب افراد عبد رقیق کا درجہ رکھتے ہیں)

عبد آبق : اپنے مالک سے بھاگے ہوئے غلام کو کہتے ہیں جو اپنے آقا سے دور چلا گیا ہو تمام کفار، مشرکین، منافقین اور بد مذہب اسی زمرہ میں آتے ہیں۔

عبد ماذون : عبد ماذون وہ غلام ہے جو مالک کی ملک اور اس کے قبضہ میں ہے اور اس کی قابلیت صلاحیت، استعداد اور خوبی کی وجہ سے اس کے مالک نے اپنے کاروبار کا اسے مختار و ماذون بنا دیا ہو اور اسے اس بات کا اذن دے دیا ہو کہ وہ مالک کے کاروبار میں جائز اور ممکن تصرف کرے۔اس غلام کا بیچنا، خریدنا، لینا دینا سب کچھ اس کے مالک کا بیچنا، خریدنا، لینا دینا تصور ہوگا۔ ('معراج النبی ﷺ'۔غزالی دوراں علامہ سید احمد سعید کاظمی علیہ الرحمہ)

اللہ تعالیٰ کے محبوبین و مقربین بمنزلہ عبد ماذون کے ہیں اللہ تعالیٰ ہر ایک کے قرب کے مطابق ماذونیت کا شرف عطا فرماتا ہے۔عبد ماذون مختلف درجات طے کر کے اللہ تعالیٰ کے ہاں مقام محبوبیت پر فائز ہوجاتا ہے حضور ﷺ ماذونیت کے بلندترین مقام پر ہیں اور آپ ﷺ ہی کی عبدیت معراج سے سرفراز ہوئی۔ ساری کائنات میں رسول اللہ ﷺ کے برابر کوئی اللہ تعالیٰ کا مقرب نہیں۔ اس لئے حضور ﷺ سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے

عبد ماذون ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾ (بقرہ/ ۲۵۵) وہ کون ہے جو اس کے یہاں سفارش کرے بے اس کے حکم کے۔

حضور ﷺ قیامت کے دن سب سے پہلے بارگاہ الٰہی میں اذن پا کر شفاعت فرمائیں گے

ہر کام باذن اللہ عین توحید ہے بغیر اذن کے شفاعت کا اعتقاد شرک ہے اور اذن کے ساتھ عین توحید لہذا یہ عقیدہ کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر کوئی حاجت پوری کرسکتا ہے شرک ہے اور جب اذن الٰہی کا عقیدہ آیا تو شرک ختم۔ اذن الٰہی ہونا اور نہ ہونا توحید اور شرک کا اصل معیار ہے۔

اب اگر کوئی اولیاء اللہ کو باذن اللہ حاجت روا کہے تو شرک نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے اذن و حکم کے بغیر انسان سانس تک نہیں لے سکتا اور نہ ہی پلک جھپکا سکتا ہے ہونٹ بھی نہیں ہلا سکتا ہے اور اگر یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ کے اذن و حکم کے بغیر یہ امور انجام دے سکتا ہے تو بلاشبہ وہ مشرک ہو جائے گا۔ ☆☆☆﴾

سفرِ معراج اور رب تعالیٰ کا عرفان : ﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰی﴾ پاک ہے وہ، جو لے گیا **اَلَّذِیْ اَسْرٰی** کو بطور صفت استعمال کیا گیا ہے تو ظاہر ہے کہ موصوف اس وقت تک سمجھا نہیں جا سکتا جب تک کہ اس کی صفت کو نہ سمجھے۔ جس طرح عالم کو علم سے، فاضل کو فضیلت سے، قاری کو قرأت سے اور رفیع کو رفعت سے سمجھا جاتا ہے۔ اگر خدا کی معرفت سمجھنا ہو تو **الذی اَسْریٰ** سے سمجھا جائے۔ اب معلوم یہ ہوا کہ یہ بندہ کی سیر بھی عجیب سیر ہوئی۔ **الذی اَسْریٰ** کا عرفان اس وقت تک نہیں ہوگا جب تک کہ سیر کرنے والے بندہ کا عرفان نہ حاصل ہو۔ حدیث قدسی ارشاد فرمایا **کنت کنزاً مخفیا واحببت ان عرفه فخلقت نور محمد** میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا پس جب میں نے چاہا میرا عرفان ہو تو میں نے نور محمد کو پیدا کر دیا۔ نور محمد کو تم جتنا پہچانو گے اتنا ہی عرفانِ خداوندی حاصل ہوگا چنانچہ ہر صفت نور محمد کی سمجھیں تو ہر صفت خدائے تعالیٰ کی سمجھ میں آئے۔ اُن کو جب تک نہ مانو گے مجھے بھی نہیں مان سکتے۔ **مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ**

جس نے اپنے کو سمجھا اس نے اپنے رب کو سمجھا۔ اکثر صوفیا کہتے ہیں کہ اپنے نفس کو سمجھنے میں اور عرفانِ الٰہی میں کیا مناسبت ہے اس کو سمجھنے میں آپ اور ہم خدا کو موجود کیوں کہتے ہیں۔ اگر دُنیا میں کوئی موجود نہ ہوتا تو کیسے ظاہر ہوتا؟ یا کون کہتا کہ خدائے تعالیٰ موجود ہے۔ یعنی ہمارا وجود رب کے وجود کو ثابت کرتا ہے۔ خدا کے سوا ہم اور آپ موجود نہ ہوتے تو وجود کا تصور بھی نہ کرتے یعنی ہمارے وجود نے کسی موجود کی رہنمائی کی ہے۔ مزید سمجھنے کے لئے ہمارے اندر ایک صفت ہے جس کو علم کہتے ہیں۔ اسی طرح ایک صفت ہے جس کو اختیار کہتے ہیں۔ اگر ہمارے اندر کوئی ایسی صفت نہ ہوتی جس کو علم کہتے ہیں تو خدا کو عالم کہنا کتنا دشوار ہوتا۔ علم کا عرفان ہی نہ ہوتا۔

﴾☆☆☆ اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت اپنے محبوب ﷺ کے ذریعہ کرائی: ﴿**هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ**﴾ (التوبہ/۳۳، الصّف/۹، الفتح/۲۸))

وہی (قادرِ مطلق) ہے جس نے بھیجا اپنے رسُول کو (کتاب) ہدایت اور دینِ حق دے کر تاکہ غالب کر دے اُسے تمام دینوں پر۔

حضور ﷺ، رب تعالیٰ کی شان بھی ہیں، اس کی رحمت بھی۔ اس وجہ سے ارشاد ہوا کہ اے میرے بندو اگر تم مجھے جاننا پہچاننا چاہتے ہو تو اس طرح پہچانو کہ اللہ تعالیٰ وہ قدرت والا، رحمت والا، کرم فرمانے والا ہے کہ اُس نے اپنے رسول، رسولوں کے سردار محمد مصطفیٰ ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ معلوم ہوا کہ حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کی وہ مصنوع ہیں کہ دست قدرت کو بھی اُن پر ناز ہے۔ بلاتشبیہ یوں سمجھو کہ ایک اعلیٰ درجہ کا کاریگر کہتا ہے کہ میں وہ ہوں جس نے فلاں عمارت بنائی ہے یا قابل استاد کہتا ہے کہ میں وہ ہوں جس نے فلاں شاگرد کو قابل بنایا۔ اگر میری قابلیت علمی دیکھنا ہے تو میرے فلاں شاگرد کو دیکھو کہ میرے علم و ہنر کا نمونہ ہے۔ دست قدرت بھی آج اس انوکھے اور نرالے بندہ خاص پر ناز فرماتا ہے کہ اگر میری قدرت، میرا علم، میری سخاوت، میرا کرم، غرضکہ میری تمام صفات کا نظارہ کرنا ہے تو میرے محبوب ﷺ کو دیکھ لو۔ یا یوں سمجھو کہ آفتاب کو کوئی آنکھ نہیں دیکھ سکتی، لیکن اگر رنگین شیشہ میں

سورج کا عکس لیا جائے اور اس شیشہ میں نظر کی جائے تو جمالِ آفتاب نظر آتا ہے۔ یہ ذات پاک بھی قدرت الٰہی دیکھنے کا گہرے رنگ والا شیشہ ہے۔ اس کو دیکھا، تو رب تعالیٰ کی صفات کو دیکھا۔ اگر کوئی رب تعالیٰ کی ذات وصفات کو زمین وآسمان کے ذریعہ جانے وہ موحِد ہے مگر مومن نہیں۔ اگر رب تعالیٰ کو پہچاننا ہو تو یوں پہچانو کہ رب وہ ہے جس نے محمد رسول اللہ ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا۔ لہٰذا حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے مظہر ہیں اور معرفت الٰہی کا بڑا ذریعہ ہیں۔ حضور ﷺ، اللہ تعالیٰ کا نور ہیں کسی کے بجھائے بجھ نہیں سکتا۔ ﴿یہ نُورِ نبی نُورِ خدا ہے واللہ جو دیکھتا ہے کہتا ہے واللہ واللہ ☆☆☆﴾

تو رب تعالیٰ نے اپنا وسیلہ معرفت بنا دیا سیدنا محمد مجتبیٰ محمد رسول اللہ ﷺ کو۔ اس لئے فرمایا **الذی اَسریٰ** یوں بھی کہا جا سکتا تھا **الذی اذھب** یا **الذی ذھب به** ان سب کے معنٰی 'لے گیا' ہے مگر خصوصیت سے **اسریٰ** کیوں فرمایا جب کہ **ذھب به** ' **اذھب** کے معنٰی وہی ہیں یعنی 'لے گیا' **اسریٰ** اور **ذھب به** و **اذھب** میں ایک نازک فرق ہے۔ وہ یہ کہ **ذھب به** اور **اذھب** میں لیجانے والے کا ساتھ رہنا ضروری نہیں مگر **اسریٰ** اس لیجانے والے کو کہیں گے جو لیجا بھی رہا ہے اور ساتھ بھی ہے۔ وہاں **اذھب** اور **ذھب به** نہیں بولیں گے جہاں لیجانے والا ساتھ نہ ہو۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ وہ تو وہاں تھا وہاں کس نے بلایا؟ وہ تو یہاں سے، وہاں سے پاک ہے۔ دیکھو میرے رسول کا سفر شروع ہوا تو قدرت الٰہیہ ساتھ تھی۔ قدرت الٰہیہ اُن کی بصارت میں، قدرت الٰہیہ اُن کی سماعت میں، قدرت الٰہیہ اُن کی رفتار میں، قدرت الٰہیہ اُن کی گفتار میں۔ بُلا بھی وہ رہا ہے اور ساتھ بھی وہی ہے۔ پہلے سمجھو **اسریٰ** کو یہ سیر کی بات ہے۔ سیر کئی سو میل نہیں ہوا کرتی، یعنی سیر وتفریح کے لئے آپ دور تک نہیں جائیں گے جہاں جا کر پریشان ہو جائیں۔ سیر وتفریح اتنی ہی کیجاتی ہے جہاں آسانی سے گئے، آسانی سے چلے آئے۔ یہاں **اسریٰ** کی بات ہو رہی ہے۔ مقام **دَنٰی فَتَدَلّٰی** پر پہنچے اور یہاں اتنی مسافت کو طے کیا اور بات سیر وتفریح ہی کی رہی، نہ کوئی تھکن ہے نہ کوئی پریشانی ہے۔ جانے والا گیا اور پلٹ کر چلا آیا۔ وہی انبساط ہے وہی کشادگی ہے۔ پتہ یہ چلا، یہ بات جو ہے سیر وتفریح ہی کی بات ہے۔

الذی اسریٰ سے پہلے **اسریٰ** کو سمجھو اور **اسریٰ** کو سمجھنے کے لئے لیجانے والے کو سمجھو۔ لیجانے والے کو سمجھنے کے لئے جانے والے کا سمجھنا ضروری ہے۔ سیر کرانے والے کو سمجھنے سے پہلے سیر کرنے والے کو سمجھو۔ کوئی سیر کرنے والا ہوگا تب سیر ہوگی' پھر کوئی سیر کرانے والا ہوگا۔ ذرا سا غور تو کرو ! سب سے زیادہ بنیادی عقیدہ کیا ہے۔ آپ کہیں گے عقیدہ توحید۔ یہ تو بالکل بنیادی چیز ہے۔ میں یہ پوچھتا ہوں کہ توحید پر آپ ایمان لائے بغیر مسلمان نہیں بن سکتے مگر کسی چیز پر ایمان لانے سے پہلے کیا چاہئے ؟ یہ نہیں ممکن ہے کہ علم نہ ہو اور ایمان آپ لے آئیں۔ علم نہ ہو اور آپ تصدیق کریں ! علم نہ ہو اور آپ مان لیں ! ایسی بات تو ممکن نہیں۔ معلوم یہ ہوا کہ ایمان سے پہلے علم چاہئے۔ اور علم سے پہلے ذریعہ علم چاہئے۔ تو عقیدہ توحید بہت ہی ضروری عقیدہ ہے مگر اس کا علم ہمیں کیسے ہوا ؟ اس لئے کہ بغیر علم کے ہم توحید کو مان نہیں سکتے۔ عقلاً یہ محال ہے کہ کسی چیز کا علم ہی نہ ہو آپ اُسے مان لیں۔ تو اس کے لئے کیا ہے پہلے علم اور علم سے پہلے ذریعہ علم۔ اب ذریعہ علم کی تلاش کرو۔ کس نے ایک خدا کا پتہ کیا ؟ کس نے **اشھد ان لااله الا الله** کہا۔ معلوم یہ ہوا جب ذریعہ علم کی ہم تلاش کریں گے وہ ذریعہ علم ذات اقدس سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی ہے پہلے اُن کو تم سمجھو گے۔

ایمان کیا ہے؟ ایمان کہتے ہیں' **التصدیق بما جاء النبی** ﷺ' دل کی سچائی کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی جملہ ہدایات کو مان لینا ایمان ہے۔

ایمان ایک نہایت ضروری چیز ہے مومن کی زندگی کا آغاز ہی ایمان سے ہے۔ ایمان اگر نہیں تو اُسے آپ انسان تو کہہ سکتے ہیں مومن نہیں کہہ سکتے۔ ایمان یعنی حضور ﷺ کی لائی ہوئی چیز کی تصدیق اُس وقت تک ممکن ہی نہیں جب تک لانے والے کی تصدیق نہ ہو جائے۔ **لااله الا الله** دعوت ہے **محمد رسول الله** داعی ہیں۔ **لااله الا الله** کا پیغام رکھنے سے پہلے رسول نے اپنے کو سمجھایا اور اپنے کو منوایا۔ حضور ﷺ نے چالیس سال تک خاموش اور مثالی زندگی گزاری اور اس کے بعد فاران کی چوٹی سے اپنی قوم کو بُلایا

اور پوچھا کہ تم مجھ کو کیا سمجھتے ہو؟ سب نے کہا' صادق وامین ۔ سچے دیانتدار ۔۔الغرض بہت تعریف کر دی۔حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب سچا سمجھتے ہو تو اگر میں یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک لشکر ہے جو تمھیں تباہ کر دینا چاہتا ہے۔میرے کہنے سے مانو گے؟ سب نے کہا کہ آپ کبھی جُھوٹ نہیں بولے' آپ کہیں گے تو ہم مان لیں گے۔ میرے رسول نے فرمایا کہ جب میرے کہنے سے تم بن دیکھے لشکر کو مان رہے ہو' تو میرے ہی کہنے سے بے دیکھے خُدا کو مان لو۔ **قولوا لااله الا الله تفلحوا ... لااله الا الله** کہو' فلاح پا جاؤ گے۔حضور ﷺ نے **لااله الا الله** کی دعوت پیش کرنے سے پہلے اپنی ذات کو سمجھایا اور منوایا۔ اس لئے کہ **لااله الا الله** دعوت ہے **محمد رسول الله** داعی ہیں **لااله الا الله** ہدایت ہے **محمد رسول الله** ہادی ہیں **لااله الا الله** ذکر ہے **محمد رسول الله** ذاکر ہیں۔**لااله الا الله** ارشاد ہے **محمد رسول الله** مُرشِد ہیں **لااله الا الله** کلام ہے **محمد رسول الله** متکلم ہیں۔ جو داعی کو نہ مانے گا وہ دعوت کو کیا مانے گا۔ جو ہادی کو نہ مانے گا وہ ہدایت کو کیا مانے گا۔جو قائل کو نہ مانے گا وہ قول کو کیا مانے گا۔جو ذاکر کو نہ مانے گا وہ ذکر کو کیسے مانے گا۔ رسول نے تبلیغ کا جو طریقہ ہمیں دیا ہے وہ یہ ہے کہ پہلے ذات رسالت ﷺ کو منواؤ اور سمجھاؤ۔۔پھر لوگ اللہ تعالیٰ کو خود ہی مان لیں گے۔رسالت کو تسلیم کرنے کے بعد ہی توحید کی دعوت کو قبول کیا جائے گا۔ اب تبلیغ کا وہ طریقہ جس میں رسول کی عظمت ورفعت کو نہیں منوایا جاتا بلکہ صرف **لااله الا الله** کو سمجھانے اور منوانے پر زور دیا جاتا ہے' وہ طریقہ خود ایک بدعت ہے اور وہ بھی بدعت سیئہ ۔۔ **اللهم صل علٰی سیدنا محمد وعلٰی آل سیدنا محمد کما تحب وترضی بان تصلی علیه** ایسا کیسے ہوسکتا ہے کہ تم قول کو مانو' قائل کو نہ مانو۔ ہدایت کو مانو' ہادی کو نہ مانو۔ ارشاد کو مانو' مُرشِد کو نہ مانو۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ دعوت کو مانو' داعی کو نہ مانو۔۔اس لئے اسلام کا سب سے پہلا فریضہ یہ ہے کہ محمد عربی ﷺ کو منوا دے۔ ذریعہ علم ہے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ مگر دوستو یہاں یہ نہ سوچنا کہ ہمیں ذریعہ علم بھی ملا اور علم بھی حاصل ہو گیا اب اُس ذریعہ کی ضرورت کیا ہے؟ یعنی ہمیں علم بھی مل گیا اور ایمان بھی۔ اب کیا

ضرورت ہے محمد عربی ﷺ کی ۔ وہ چیز ہمیں ملنی تھی، مل چکی ہے مگر یہ بتلاؤ خدا کی معرفت کے درجات کتنے ہیں؟ معرفتِ الٰہی کے مراتب کتنے ہیں؟ معرفتِ الٰہی کے درجات کا جب تم پتہ نہیں لگا سکتے اور معرفتِ الٰہی جب غیر متناہی ہے تو جو معرفت کرانے والا ہے اس کی ضرورت کا سلسلہ بھی غیر متناہی ہی ہے ۔ یہ ایسا سفر ہے ہی نہیں، جو کہیں ختم ہو ۔ یہ سفر ختم نہیں ہوسکتا ۔ اس کی ضرورت ہوگی ۔ ہم تو سمجھتے ہیں کہ سارے سفر رشتۂ حیات کٹتے ہی ختم ہوجاتے ہیں، ساری مسافتیں ختم ہوجائیں گی ۔ حیات کی گاڑی ٹھہری آپ کے سارے مقاصد ختم ۔ ساری خواہشیں ختم ۔ ساری تمنائیں ختم ۔ سارے سفر ختم ۔ مگر میرے رسول کی ضرورت اب بھی ختم نہیں، قبر میں وہی ہے......حشر میں وہی ہے......میزان پر وہی ہے......پُل صراط پر وہی ہے......جہنم کے دروازہ پر وہی ہے...... جنت کے دروازہ کھولنے والے وہی ہے......ہم تو دیکھتے ہیں جہاں ہم نے رسول کی ضرورت سمجھی بھی نہیں اور وہاں تو دیکھ رہے ہیں ۔

﴿**سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِهٖ**﴾ لے گیا اپنے بندہ کو ۔ یہ نہیں کہا کہ **بنبیه** اپنے نبی کو لے گیا ۔ یہ نہیں کہا کہ **رســـولـــه** اپنے رسول کو ۔ نہ نبی کا لفظ اختیار کیا، نہ رسول کا ۔ بلکہ **عبـد** کا لفظ استعمال کیا ۔ یعنی اپنے بندہ کو ۔ یہی رسول کے اوصاف کو بیان کرنے کے لئے قرآن میں کہیں کہیں انسان کا لفظ بھی استعمال کیا گیا ہے ﴿**خـلـق الانسان علمه البيـــان** ﴾ ۔ مفسرین کہتے ہیں یہاں انسان سے مراد انسان کے فرد کامل سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ ہیں تو انسان کا لفظ بھی یہاں اختیار کیا جاسکتا تھا ۔ **اسریٰ باالانسانه** یعنی انسان کامل کو لے گیا، مگر نہ تو **نبیه** کا لفظ ہے نہ **رسوله** کا اور نہ ہی **انسان** کا ۔ یہاں **بعبده** کا لفظ ہے ۔

معراجِ عبدیت :

﴿**سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِهٖ**﴾ پاک ہے جو لے گیا اپنے بندے کو ۔

﴿☆☆☆ حضور ﷺ کا عظیم الشان معجزہ واقعہ معراج ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ

کا ذکر ﴿بِعَبْدِهٖ﴾ بندے خاص کے لفظ سے فرمایا ہے۔ جس کی متعدد حکمتیں ہیں ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ حضور ﷺ کی بے مثل رفعت شان اور علومرتبت کو دیکھ کرامت اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائے جس طرح عیسائی کمالات عیسوی کو دیکھ کر مبتلا ہو گئے تھے۔

معراج کے بیان میں عبدہ فرما کراس حقیقت کی طرف اشارہ فرمادیا کہ باوجوداس قرب عظیم کے جوشب معراج میں میرے حبیب ﷺ کو حاصل ہوا وہ میرے عبد ہی ہیں معبود نہیں۔اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق اللہ کی عبد ہے لیکن جس کو تمام عباد کاملین میں سب سے زیادہ کامل اور عبد اکمل کہا جا سکے وہ وہی ہے جسے عبدہ سے تعبیر فرمایا ہے عبدہ کے معنی ہیں اللہ کا بندہ اور اللہ کی بندگی کا سب سے بڑا کمال اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی نزدیکی ہے اسراء اور معراج میں اس عبد مقدس ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا جو قرب نصیب ہوا اور مرتبہ قاب قوسین کی نزدیکی حاصل ہوئی وہ اولین وآخرین میں سے آج تک نہ تو کسی کو حاصل ہوئی ہے نہ ہوگی اور نہ ہو سکتی ہے۔لہذا اللہ تعالیٰ کے جملہ عباد میں عبد کامل صرف عبدہ ہے۔ (معراج النبی ﷺ۔ غزالی دوراں علامہ سید احمد سعید کاظمی علیہ الرحمہ)

حضور نبی کریم ﷺ دُنیا میں شان رسالت سے تشریف لائے اور رب تعالیٰ کی بارگاہ میں شان عبدیت سے حاضر ہوئے اس لئے یہاں عبدہ فرمایا۔

نبی کریم ﷺ روف رحیم کے ہزار لقب اور صفاتی نام ہیں مگر آج **رسولہ ٗ حبیبہ ٗ مزمل ٗ مدثر ٗ یٰسٓ ٗ طٰہٰ** نہیں فرمایا بلکہ ٗعبدہ ٗ فرمایا۔ یہ اس لئے کہ رسول نبی وغیرہ قانونی اور عہدے کے نام ہیں وہ دفتر اور دربار میں بولے جاتے ہیں لیکن آج تو اپنے گھر روانگی ہے لہذا گھریلو لقب بولا گیا۔ یا اس لئے کہ بندوں کے پاس گئے تو رسول نبی رحمت عالمین بن کر گئے آج اپنے رب کے پاس آرہے ہیں لہذا یہی لفظ مناسب یا اس لئے کہ اے کائنات والو تم ہمارے حبیب کو پکارو تو آقا مولیٰ یا رسول اللہ ﷺ یا حبیب اللہ کہہ کر پکارو۔۔ہم پکاریں تو ﴿بِعَبْدِهٖ﴾

مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوسرے آسمان تک گئے تو نصاریٰ نے ابن اللہ کہنا شروع کر دیا۔ احمد مجتبیٰ حضور ﷺ تو لوح وقلم سے آگے نکل گئے۔کہیں یہ دیکھ کر کوئی گمراہ نہ ہو جائے اس لئے فرمایا ﴿بِعَبْدِهٖ﴾ کہ عروج خواہ کتنا ہی ہوا مگر عبدیت کا

تاج پہنے ہی رہے ۔ یا اس لئے کہ عبد تو ساری کائنات ہے مگر عبدہ یعنی بندے خاص صرف محمد ﷺ ہی ہیں ۔

حضور ﷺ جب معراج سے سرفراز فرمائے گئے تو شب اسریٰ عالم بشریت کے جملہ کمالات بیت المقدس پر تمام ہو گئے ۔ اور عالم نورانیت کے مقامات و کمالات سدرۃ المنتہیٰ پر ٹھٹھک کر رہ گئے ۔ لیکن پیکر محمدی ﷺ اپنے تمام تر جلوؤں کے ساتھ قاب قوسین پر حاوی ہو گیا ۔ یہ شان' شان عبدیت ہے جس کی ہمسری بشریت اور نورانیت مل کر بھی نہیں کر سکتے ۔ حضور ﷺ کی عبدیت ان الفاظ سے ظاہر ہے ﴿**فَاَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰی**﴾ (النجم/۱۰) پس اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ خاص کو وحی فرمائی جو وحی فرمائی (جو اللہ تعالیٰ نے چاہا وحی فرمائی)

جس کی حقیقی معرفت تک رسائی نہ عالم بشریت کا کوئی فرد حاصل کر سکتا ہے اور نہ عالم نورانیت میں کسی کو اس کی کامل معرفت نصیب ہو سکتی ہے ۔

عبد اور عبدہ :

☆ **عبد** (سیدنا موسیٰ علیہ السلام) وہ ہے جو کہے ﴿**رَبِّیٓ اَرِنِیٓ**﴾ (اے رب دِکھا دے) اور جو کہے اے محبوب آ کے دیکھ جا ۔ جو طالبِ جلوہ ہے وہ **عبد** ہے اور جلوہ جس کا طالب ہو وہ ہے **عبدہ** ۔

☆ **عبد** (حضرت ابراہیم علیہ السلام) وہ ہے جسے آگ میں ڈالا گیا اور آگ بجھ گئی ۔ **عبدہ** (حضور ﷺ) وہ ہے جس کے آنے سے آتش کدہ ایران جو ہزاروں سال سے بھڑک رہا تھا بجھ گیا ۔

☆ **عبد** (حضرت ابراہیم علیہ السلام) وہ ہے جس نے اپنے کلہاڑے سے بُت خانہ کے بُت پاش کئے تو **عبدہ** (حضور ﷺ) وہ ہے کہ کعبہ اللہ میں نصب ۳۶۰ بُت اپنے دائیں ہاتھ کے اشارے سے توڑ ڈالے اور بُت منہ کے بل گر گئے ۔

☆ **عبد** (حضرت موسیٰ علیہ السلام) وہ ہے جس نے پتھر پر عصا مار کر بارہ چشمے جاری کئے

تو **عبــــدہ** (حضور ﷺ) وہ ہے جس نے اپنے ہاتھوں کی انگلیوں سے پانی کی نہر جاری کردی جوکہ ناممکن تھی، جب کہ پتھر سے پانی کا نکلنا ممکن تھا۔

☆ **عبد** (حضرت موسیٰ علیہ السلام) وہ ہے جس نے دریائے نیل عبور کیا تو دریا نے راستہ چھوڑ دیا، جب کہ ادھر **عبــــدہ** (حضور ﷺ) کے غلام (غلامانِ مصطفیٰ) جب دریا عبور کرتے ہیں تو پانی ہی سڑک بن جاتا ہے اور کپڑے بھی گیلے نہیں ہوتے۔

☆ **عبــد** (حضرت صالح علیہ السلام) وہ ہے جس کی اونٹنی ایک دن میں سارا پانی پی جاتی تھی تو **عبــــدہ** (حضور ﷺ) کی ناقہ، حضور ﷺ کی نبوت کی گواہی دیتی تھی اور کئی بار اونٹ آپ کے پاس آکر اپنے مالک کی شکایت کرتے۔

☆ **عبد** (حضرت داؤد علیہ السلام) وہ ہے جس کے ہاتھ میں لوہا نرم ہو جاتا تھا جوکہ اس کی فطرت ہے مگر **عبــدہ** (حضور ﷺ) وہ ہے جس کے ہاتھوں میں کنکریوں نے کلمہ پڑھ کے آپ کی نبوت کی شہادت دی۔

☆ **عبــد** (حضرت داؤد علیہ السلام) وہ ہے جس کے لئے پرندے مسخر تھے تو اِدھر **عبــدہ** (حضور ﷺ) کے غلام حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سامنے آتے ہوئے شیر سے کہتے ہیں **یــا ابا الحارث انا مولیٰ رسول الله** اے شیر (خبردار) میں غلام رسول ہوں۔

☆ **عبـــــد** (حضرت سلیمان علیہ السلام) وہ ہے جس کو زمین پر بادشاہت عطا کی گئی تو **عبدہ** (حضور ﷺ) کو زمین کے سرخ وسفید پر حکومت اور خزانوں کی چابیاں عطا کی گئیں۔

☆ عبد (سلیمان علیہ السلام) وہ ہے جس کے پاس جِن اگر نافرمانی کرتے تو آپ سزا دیتے، مگر **عبدہ** (حضور ﷺ) وہ ہے جس کے پاس آنے والے جِن بھی آپ کی عظمت کو جُھک کر سلام کرتے۔

☆ **عبـــد** (حضرت سلیمان علیہ السلام) وہ ہے جس کے لئے ہوائیں مسخر کی گئیں اور صبح سے دوپہر تک ایک مہینے کا سفر طے کرتے، مگر **عبــدہ** (حضور ﷺ) وہ جو ایک رات کے تھوڑے حصے میں مسجد حرام سے لے کر لامکان کی سیر کر کے آ گئے۔

رحمتِ عالم ﷺ کی شانِ عبدیت :

سید دو عالم ﷺ دنیا میں شان رسالت کے ساتھ تشریف لائے اور رب تعالیٰ کی بارگاہ میں شب معراج کو شانِ عبدیت کے ساتھ حاضر ہوئے۔ لہذا رسول اللہ ﷺ کی ذات میں رحمت ہی رحمت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی بات میں حکمت ہی حکمت ہے۔ رسول کی رات میں رفعت ہی رفعت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں برکت ہی برکت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی گفتار میں راحت ہی راحت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی رفتار میں شوکت ہی شوکت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے کردار میں حرمت ہی حرمت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے افکار میں رافت ہی رافت ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ کی توہین میں ذلت ہی ذلت ہے۔ رسول کے عناد میں زحمت ہی زحمت ہے۔ حکم رسول اللہ ﷺ پر عمل کرنے میں نصرت ہی نصرت ہے۔ حکم رسول اللہ ﷺ پر عمل نہ کرنے میں ظلمت ہی ظلمت ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ بندۂ اعلیٰ اور رسول اکمل ہیں جن کی عبدیت سے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت چمکی اور جن کی رسالت رب تعالیٰ کی الوہیت کا مظہر اتم ہے۔

حضور ﷺ عبد کامل ہیں جہاں عبودیت کی انتہا ہو جاتی ہے عبودیت کے اس اعلیٰ وارفع مقام پر صرف اسی محبوب کی رسائی ہے۔ کوئی کلمہ گو حضور ﷺ کو معبود والہ نہیں سمجھتا اور نہ حضور ﷺ کی عبادت کرتا ہے بلکہ ہر نماز میں کئی بار وہ اعلان کرتا ہے کہ **اشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ** میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں۔

نزولِ قرآن اور شانِ عبدیت : حضور ﷺ چونکہ کمال عبدیت میں سب سے فائق ہیں اس لئے آپ افضل مخلوقات اور اشرف کائنات ہیں اور اسی وجہ سے قرآن مجید میں جہاں جہاں حضور ﷺ کے بلند ترین خصائص وکمالات اور اللہ تعالیٰ کے آپ پر خاص الخاص انعامات کا ذکر کیا گیا ہے وہاں معزز ترین لقب کے طور پر حضور ﷺ کو عبد ہی کے عنوان سے یاد کیا گیا ہے۔

سب سے بڑی نعمت و دولت قرآن حکیم کی تنزیل کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا۔

﴿تَبَارَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا﴾ (فرقان/۱) بڑی برکت والا ہے وہ جس نے اپنے عبد خاص پر قرآن اُتارا جو سارے جہانوں کے لئے نذیر ہے۔

حضور محمد مصطفیٰ ﷺ اپنی عبدیت میں ایسے مشہور ہیں کہ اس خاص لفظ سے ہر ایک کا خیال حضور ﷺ کیطرف جاتا ہے خیال رہے کہ عبد اور عبدہ میں بڑا فرق ہے عبد تو رحمت الٰہی کا منتظر ہے اور عبدہ کی رحمت الٰہی منتظر ہے۔عبدہ وہ ہے جس کی عبدیت سے اللہ تعالیٰ کی شان الوہیت ظاہر ہو حضور ﷺ بےنظیر بندے ہیں ﷺ (نورالعرفان)

قرآن کا نزول اس عبد کامل پر ہوا جہاں عبودیت کی انتہا ہو جاتی ہے عبودیت کے اس اعلیٰ وارفع مقام پر صرف اسی محبوب کی رسائی ہے اور اس کے نزول کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ محبوب ترین اور اکمل ترین بندہ سارے جہانوں کو اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی کے خوفناک انجام سے بروقت متنبہ فرمادے۔

للعالمین کے لفظ سے واضح ہوگیا کہ حضور ﷺ کی نبوت ورسالت سارے جہانوں کے لئے ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے سب کے لئے آپ رسول ہیں اور جب تک یہ عالم برقرار رہے گا حضور ﷺ کی رسالت کا پرچم لہراتا رہے گا۔ سورۃ کہف میں فرمایا گیا۔

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا﴾ (الکھف/۱) سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے نازل فرمائی اپنے (محبوب) بندے پر یہ کتاب اور نہیں پیدا ہونے دی اس میں ذرا کجی (اور معاش ومعاد کو) درست کرنیوالی ہے (ضیاءالقرآن)

سب ستائشیں اُسی ذاتِ بے ہمتا کو زیبا ہیں جس نے اپنے محبوب بندے پر یہ کتاب نازل فرما کر انسانیت کی شبِ دیجور کو صبحِ نور سے آشنا کیا ہے۔ عبدہٗ سے مراد صاحبِ قرآن اور الکتاب سے مُراد قرآن کریم ہے۔ عبدہٗ میں کوئی التباس نہیں۔ کیونکہ مقامِ عبدیت کاملہ پر صرف یہی ذات بابرکات فائز ہے اور قاعدہ ہے کہ جب کوئی چیز کسی صفت میں اوجِ

کمال پر پہنچتی ہے تو جب اس صفت کو مطلقاً ذکر کیا جائے تو اس سے مُرادوہی موصوف ہوگا۔ جس کسی کو عبدیت کا جتنا کچھ عرفان نصیب ہوا، اسی کے طفیل ہوا۔

تمام انبیاء حضور ﷺ کے بحرِ کرم سے چُلّو بھر رہے ہیں اور حضور ﷺ کے ابرِ رحمت سے ہونٹ تَر کر رہے ہیں۔ یہی وہ ذات اقدس ہے جس کا ظاہر و باطن مکمل ہے۔ پھر کائنات کے خالق نے اس سراپا حُسن وخوبی کو اپنا حبیب منتخب فرمایا ہے۔

اسی طرح جب الکتاب کہا جائے گا تو فوراً ذہن اس صحیفہ کاملہ اور نسخہ کیمیا کی طرف منتقل ہوگا جو قرآن کے نام سے ہمارے پاس موجود ہے۔ جس طرح صاحبِ کتاب اپنی شانِ عبدیت اور مقامِ بندگی میں بے نظیر ہے اسی طرح یہ کتاب بھی بے عدیل ہے (تفسیر ضیاء القرآن)

حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی اشرفی علیہ الرحمہ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

تمام تعریفیں، حمد ہوں یا ثنا، تسبیح ہو یا تقدیس، ابدی، ازلی، قدیمی، حدثی، استمراری، استقراری، باقی، عارضی ۔۔سب اسی اللہ جل شانہ کے لئے ہیں جس نے عظیم کرم رحمت شفقت انعام اعلام احسان فرماتے ہوئے اس معراج پر چڑھنے والے عبدہ اپنے ایسے عظیم بندے پر نیچے اتار کر نازل فرمائی ایک قدیمی کتاب۔ وہ بندہ جس کی شان عرش فرش لامکان پر عبدہ ہے وہ عبد جس کی عبدیت اوج کمال پر ہے جس کی عبدیت کے لئے کسی جہت سمت مکان وزمان وقت وساعات مسجد و مدرسہ خانقاہ مزارات کی قید نہیں، جس کی عبدیت نے ساری زمین کو مسجد اور ساری شریعت کو عالمگیر مصلیٰ بنا دیا۔ ایسے بندے پر وہ عظیم کلام نازل فرمایا جو ازل قدیم سے کتاب ملکوتی وقانون جبروتی ہے۔

معراج عبدیت کی شان ہے کہ عبد بلندی پر پہنچا اور نزول کتاب نورانیت کی شان ہے۔

نبی کریم ﷺ بھی اللہ تعالیٰ کے عبد ہیں اور تمام مخلوق بھی بندے، مگر فرق یہ ہے نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کے عبد مطلق ہیں اور باقی تمام عبد مقید ہیں۔ عبد مطلق کسی کا محتاج نہیں ہوتا سوائے اللہ تعالیٰ کے، لیکن عبد مقید عبد مطلق کا محتاج ہوتا ہے یہ فائدہ عبدہ فرمانے سے حاصل ہوا۔ اس لئے کہ عبد مطلق عبد حقیقی ہوتا ہے اور عبد حقیقی عبد کامل بن کر محبوبیت کے مقام پر قائم ہو جاتا ہے محبوب کو کسی غیر کا محتاج نہیں چھوڑا جاتا۔ (تفسیر نعیمی)

سورۂ الحدید میں بھی حضور ﷺ کو عبدہ کے خصوصی لقب سے یاد فرمایا گیا۔

﴿هُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ عَلٰی عَبْدِهٖۤ اٰیٰتٍ بَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ﴾ (الحدید/۹) وہی ہے جو نازل فرمارہا ہے اپنے (محبوب) بندہ پر روشن آیتیں تاکہ تمہیں نکال لے (کفر کے) اندھریوں سے (ایمان کے) نور کی طرف۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ بڑی شفقت فرمانے والا، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

مقام عبدیت ورسالت :

مقام عبدیت ورسالت میں گہرا ربط وتعلق کارفرما ہے حضور ﷺ کا وصف عبدیت اللہ تعالیٰ کی عطا ہے جب کہ مقام رسالت آپ ﷺ پر خدائے بزرگ وبرتر کا خاص انعام اورعطیہ ہے اسی بناء پر نبی کریم ﷺ اپنے مقام عبدیت کا خصوصیت کے ساتھ سب سے پہلے ذکر فرماتے اور پھر اس کے بعد اس عظیم انعام وعطیہ خداوندی کا تذکرہ فرماتے جو بارگاہ صمدیت سے رسالت کی صورت میں آپ ﷺ کو عطا ہوا تھا۔

عبدیت اور رسالت حضور نبی کریم ﷺ کی دو امتیازی شانیں ہیں جن کا کلمہ شہادت میں ذکر کیا گیا ہے شہادت رسالت پر شہادت عبدیت کو مقدم کرنے کا پہلا سبب یہ ہے کہ عبدیت کا تعلق کلیۃً ذات خداوندی سے ہے اور غیر اللہ سے اس کی کوئی نسبت نہیں۔ اس کے برعکس رسالت کا تعلق ایک طرف براہ راست مخلوق خداوندی سے ہے تو دوسری طرف ذات خداوندی سے بھی ہے گویا رسالت اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان وسیلہ اور واسطہ ہے چونکہ عبدیت کا مطمعِ نظر سب علائق دنیوی منقطع کر کے خالق حقیقی سے ایسا یک گونہ تعلق استوار کر لینا ہے کہ اسی کی ذات بندے کے کامل انہاک اور توجہ تام کا مرکز ومحور بن جائے اس بنا پر کلمہ شہادت میں اس کے ذکر کو اولیت دی گئی ہے اس کے باوصف منصب رسالت الوہی پیغام کو نوع انسانیت تک پہنچانے کا متقاضی ہے رسول کا کام بندگان خدا کی رشد وہدایت ہے تاکہ وہ گمراہی وضلالت کے اندھیروں سے نکل کر ایمان وایقان کے نور سے بہرہ ور ہو جائیں۔ مقام عبدیت پر جہاں توجہ الی اللہ کا رنگ غالب ہوتا ہے وہاں مقام رسالت پر توجہ الی المخلوق

کی کیفیت کا اثر بغائیت درجہ گہرا رہتا ہے کیونکہ رسول کو اپنی ذات کے لئے نہیں بلکہ خلق خدا کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دینے کے لئے منصب رسالت پر فائز کیا جاتا ہے۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ مقامِ رسالت ایک عبد کے مقابلے میں بدرجہا اعلیٰ وارفع ہوتا ہے لیکن جہاں تک عبدیت کا تعلق ہے رسول کی ذات اللہ تعالیٰ سے اپنا رشتہ عبودیت محکم طور پر قائم کرنے کو اولیت وترجیح دیتی ہے۔حضور نبی کریم ﷺ کا ایک ارشادگرامی اس مضمون پر دلالت کرتا ہے کہ اے میرے رب میں تیرا رسول برحق ہوں اور میری رسالت تیرے گم کردہ راہ بندوں کو رشد وہدایت سے بہرہ ورکرنے کے لئے ہے لیکن جہاں تک میری ذات کا تعلق میں اس بات کو ترجیح دیتا ہوں کہ اول وآخر تیرہ بندہ رہوں یہی سبب تھا کہ حضور ﷺ نے کلمہ شہادت میں اپنے مقام بندگی کا خصوصیت سے پہلے ذکر فرمایا۔ مقام عبدیت کو اولیت دینے کا تیسرا سبب یہ ہے کہ بنی آدم کے قلوب واذہان میں یہ نکتہ جاگزیں کردیا جائے کہ جب آقائے دوجہاں صاحب لولاک ﷺ سے بڑھ کر کائنات میں کسی فرد کو بارگاہِ صمدیت میں عظمت ورفعت کا وہ مقام حاصل نہیں ہے جو آپ ﷺ کی ذات ستودہ صفات کو حاصل ہے اور آپ ان سب عظمتوں اور رفعتوں سے ہمکنار ہونے کے باوجود اپنے مقام بندگی سے دستبردار نہیں ہوئے تو اور کوئی کس قطار وشمار میں ہوسکتا ہے گویا نکتہ توحید کو قلبِ انسانی میں راسخ کرنے کے لئے عبدیت مصطفوی ﷺ کو اس تخصص کے ساتھ متحقق کیا گیا کہ جب معراج میں قاب قوسین کے مقام پر حضور ﷺ کی عبدیت میں سرموکوئی فرق نہیں آیا تو اور کون سی ہستی خدا کے بعد الوہیت اور معبودیت کی مستحق اور سزاوار ہوسکتی ہے۔ کلمہ شہادت میں ذکر عبدیت کے تقدم میں اسی حکمت کی کارفرمائی بدرجہ اتم نظر آئی ہے۔

عقیدہ توحید اور جشن میلاد النبی ﷺ کا باہمی تعلق :

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی امت نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو دیکھا مُردوں کو زندہ کرتے دیکھا' کوڑھیوں کو شفایاب کرتے دیکھا' مادر زاد نابینے کو صحتمند اور توانا کرتے دیکھا' دوسرے معجزات اور تصرفات کو دیکھا' ان کمالات کو دیکھ کر اپنے نبی کو خدا بنا

بیٹھے، ظاہر ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات، معجزات مصطفوی ﷺ کا درجہ نہیں رکھتے۔ حضور ﷺ کے معجزات تو تمام انبیاء علیہم السلام کے معجزات پر حاوی ہیں۔ پہلے امتوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کے کمالات کو دیکھ کر ان کی نسبت خدائی کا دعویٰ کر دیا۔

اُمت مصطفوی ﷺ پر اللہ تعالیٰ کا یہ خاص فیض ہے کہ اُس نے اس اُمت کو یہ شعور عطا کیا کہ تم قیامت تک ربیع الاول کے مہینے میں اپنے نبی کی ولادت کو مناتے رہنا تاکہ ڈنکا بجتا رہے کہ اس نبی کی اُمت اس کو خدا نہیں بلکہ پیدا ہونے والا اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ نبی مانتی ہے اور جو پیدا ہوتا ہے وہ خدا نہیں ہوتا۔ تو گویا میلاد مصطفیٰ ﷺ کا منانا حضور ﷺ کی نسبت خدا نہ ہونے کا اعلان کرنا ہے۔ نصاریٰ کے برعکس امت مسلمہ کا یہ عمل دراصل حضور ﷺ کی نسبت ہر شرک کے تصور کو توڑ کر پاش پاش کرنے کے مترادف ہے جب کہ میلاد نہ منانے میں شرک کا شائبہ ہوسکتا ہے کہ یہ حضور ﷺ کی ولادت کو کیوں نہیں منا رہا ہے؟۔۔۔کہیں یہ تو نہیں سمجھتا کہ حضور ﷺ پیدا نہیں ہوئے ! ۔۔ تو ثابت ہوا کہ ولادت کا نسخہ شرک کو قطع کرنے کا نسخہ ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ کی اُمت کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ حضور ﷺ کے کمالات و امتیازات عظمت و رفعت اعلیٰ و ارفع مقام اور خصائص کے باوجود آپ کو معبود و الہ نہیں سمجھتی اور نہ ہی حضور ﷺ کی عبادت کرتی ہے بلکہ جشن میلاد النبی ﷺ مناتے ہوئے توحید کے پرچم لہراتی ہے۔ جشن میلاد النبی ﷺ سے شرک کے شبہات ختم ہوتے ہیں اور توحید الٰہی کا اعلان ہوتا ہے۔

یقیناً جشن میلاد النبی ﷺ عین توحید ہے۔ جشن میلاد النبی ﷺ سے حضور ﷺ کی عبدیت کا اظہار ہوتا ہے ......معبود یا الہ کی میلاد نہیں ہوتی ہے۔ جس کی میلاد ہوتی ہے وہ عبد کہلاتا ہے......حضور نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندہ خاص ہیں۔ جشن میلاد النبی ﷺ میں اس بات کا بیان ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی میلاد مبارک ۱۲ ربیع الاول بروز دوشنبہ مکہ معظّمہ میں ہوئی، والدہ سیدہ آمنہ، والد حضرت عبداللہ اور دادا حضرت عبدالمطلب ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی ذات زمان و مکان سے پاک ہے۔ وہ یکتا ہے، کسی کا محتاج نہیں، سب سے

بے نیاز ہے٬ نہ اس نے کسی کو جنا ہے٬ اور نہ ہی وہ جنا گیا۔ اس کا کوئی ہمسر نہیں۔

حضور نبی کریم ﷺ کا امتی ہر نماز میں کئی بار اعلان کرتا ہے کہ ﴿**اشهد ان لااله الا الله وحده لاشريك لهٗ واشهد ان محمدا عبدهٗ ورسوله**﴾ گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں٬ اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اُس کے خاص بندے اور رسول ہیں۔ ﴿☆☆☆﴾

اللہ کی سَر تا بقدم شان ہیں یہ — ان سانہیں انسان٬ وہ انسان ہے یہ
قرآن تو ایمان بتا تا ہے انہیں — ایمان یہ کہتا ہے میری جان ہیں یہ

عبدیت رسالت سے افضل ہے : عبدیت رسالت سے افضل ہے مگر یہاں دھوکہ نہ کھانا۔ ہماری تمہاری عبدیت کی بات نہیں ہے وہ تو نبی کی صفتِ عبدیت کی بات ہے جو نبی کی صفتِ رسالت سے افضل ہے۔ کیوں افضل ہے؟ عبد ہوتا ہے معبود کا۔ اور رسول ہوتا ہے مخلوق کا۔ عبدیت کی نسبت معبود کی طرف٬ رسالت کی نسبت مخلوق کی طرف۔ عبدیت اُدھر جانا چاہتی ہے رسالت اِدھر آنا چاہتی ہے۔ اس لئے جب بُلایا تو کہا **اَسۡرٰى بِعَبۡدِهٖ** اور جب بھیجا تو کہا ﴿**هُوَ الَّذِىۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ**﴾ ﴿**يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيۡرًا**﴾ ﴿**اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيۡرًا ۙ لِّتُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ**﴾ ﴿**وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ**﴾

یہاں بھیج رہا ہے تو رسول کہہ کر بھیج رہا ہے اور جب وہاں بُلایا تو اس طرح ﴿**فَاَوۡحٰۤى اِلٰى عَبۡدِهٖ مَاۤ اَوۡحٰى**﴾ کہہ دیا اپنے بندے کو جو کہنا تھا۔ وہاں پہونچا تو عبد کہا۔ یہ رسول کی عبدیت وصال چاہتی ہے اور رسالت فراق چاہتی ہے۔ اس لئے بُلاتے وقت عبدیت کا لفظ استعمال کیا اور واقعی دوستو رسول کی عبدیت کو کیا سمجھاؤں۔ اب یہاں پر تم ایک چیز سمجھ لو۔ یہ بات اپنی جگہ پر طے ہوگئی کہ عبدیت کا رُخ خالق کی طرف اور رسالت کا رُخ خلق کی طرف۔ دوسرا فرق کیا ہے۔ عبد وہ جو اپنے تمام مہمات امور اور اپنی زندگی کے تمام مسائل کو اپنے مالک کے تفویض کردے وہ ہے عبد۔ تسلیم و رضا کی منزل سے

گذرے سارے معاملات کو اُس کے سپرد کردے وہ ہے عبدیت اور اُمت کے معاملہ کو اپنے ذمہ لے لینا یہ ہے رسالت۔

﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ﴾ رسول کی صفتِ عبدیت خود اس رسول کی صفتِ رسالت سے افضل ہے۔ اعلیٰ و برتر بھی ہے۔ جب یہ چیز آپ سمجھ لیں تو کہو' سارے انسان مل جائیں اپنے تمام صفات کے ساتھ' تمام اس دَور کے کروڑوں انسانوں کو ایک پلڑے میں رکھدو......اور اگر ابھی بوجھ زیادہ نہ محسوس ہو تو اولین و آخرین کو بھی شامل کر دو۔ سارے غیر نبیوں کو بھی اور سیدنا صدیق اکبر کی صداقت کو' سیدنا فاروق اعظم کی عدالت کو' سیدنا عثمان غنی کی سخاوت کو' سیدنا علی مرتضٰی کی شجاعت و سیادت کو' صحابہ بھی ہو' تابعین بھی اس میں ہو' مجتہدین بھی اس میں ہو۔ ائمہ طریقت بھی ہو' اولیائے کاملین بھی ہو' علمائے صالحین بھی اس میں ہو اور تمام چیزوں کو جمع کر لو۔ ان ساروں کو ایک پلڑے میں رکھو ۔۔ اور نبی کی رسالت کو ایک پلڑے میں رکھو۔ اب کہو' سب مل کر رسول کی رسالت کے برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ سب مل کر بھی نہیں ہو سکتے۔ بولو پھر تمہاری عبدیت اس رسول کی عبدیت کے برابر کیسے ہو سکتی ہے جس کی عبدیت ہی رسالت سے افضل ہے۔ رسالت تک نہیں پہونچے' عبدیت تک کیسے پہونچ سکتے؟

مقامِ محبوبیت :

﴿☆☆☆ رسالت و نبوت کا ایک ایسا درجہ اور مقام بھی ہے جس پر فائز ہو کر محبوبیت کا وہ مقام نصیب ہوتا ہے جہاں بندہ محبوب کے طلب گار رضائے خداوندی ہونے کے بجائے رب تعالیٰ خود اس کی رضا کا طالب بن جاتا ہے۔ یہ ارفع اور بلندترین مقام تمام کائنات میں ابتدائے آفرینش سے تا ابدالآباد صرف سید المرسلین خاتم النبیین رحمتہ للعالمین حضور نبی کریم ﷺ کے حصہ میں آیا جن کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا:

﴿وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی﴾ اور آپ کا رب عنقریب آپ کو (اتنا کچھ) عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔ (الضحی/٥)

یہ مقام محبوبیت وہ مقام ہے جہاں محبّ ومحبوب کی رضا ایک ہو جاتی ہے محبوبیت میں کمال اس بات کا متقاضی ہوتا ہے کہ محبوب کا ہر عمل مشیت ایزدی کے سانچے میں ڈھل جائے اور دونوں کی رضا کامل ہم آہنگی اور مطابقت اختیار کر جائے محبوبیت کا بلند ترین مقام یہ بھی ہے کہ جدھر محبوب کی نگاہیں اٹھ گئیں اس جگہ کو ہمیشہ کے لئے قبلہ بنا دیا گیا۔ ﴿قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّیَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا﴾ (البقرۃ/۱۴۴) (اے حبیب) ہم بار بار آپ کے رخ انور کا آسمان کی طرف پلٹنا دیکھ رہے ہیں سو ہم ضرور بالضرور آپ کو اسی قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس پر آپ راضی ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ کی یہ آرزو قلب انور میں تھی کہ بیت المقدس کے بجائے کعبۃ اللہ کو مسلمانوں کا قبلہ بنا دیا جائے ۔حضور نبی کریم ﷺ کا اسی آرزو سے آسمان کی جانب نگاہ کرنا قبلہ کی تبدیلی کا سبب بن گیا اور اس تحویل قبلہ کا حکم بارگاہ خداوندی سے فقط اس لئے نازل ہوا کہ محبوب کی رضا یہی تھی۔ گویا یہ وہ نقط کمال تھا جہاں محبوبیت اور مقربیت باہم متصل ہوگئیں اور محبّ ومحبوب کی رضا ایک دوسرے میں ڈھل گئی۔ شان محبوبیت اس بات کی متقاضی ہے کہ باری تعالیٰ آپ کو جملہ خلائق میں اٹھاتے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ آپ بلندیوں اور رفعتوں کے مقام منتہا پر دکھائی دیتے ہیں۔ اگر یہ نکتہ اچھی طرح سمجھ میں آجائے تو نور وبشر کے سارے جھگڑے ختم ہو سکتے ہیں۔ حضور ﷺ کو شان محبوبیت سے اس لئے نوازا گیا ہے کہ ہم دنیادار انسان آپ کی حیثیت وعظمت کو سمجھ کر اپنے عقائد درست کر سکیں۔ ☆☆☆﴾

قدرت الٰہی اور قانونِ قدرت :

﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ﴾ بہت پاک ہے وہ ذات جو لے گئی اپنے بندہ کو۔ اس آیتِ مقدسہ پر غور وتدّبر کریں تو شکوک وشبہات کے تمام راستے خود بخود مقفل ہو جاتے ہیں۔ کسی التباس کی گنجائش رہتی ہے اور نہ کسی ابہام کا جواز باقی رہتا ہے۔ عقلی اور نقلی سوالات آن واحد میں ختم ہو جاتے ہیں۔ مسئلہ کا ہر پہلو روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے اور حقیقت اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ ذہنِ انسانی پر منکشف

ہو جاتی ہے۔ ایمان میں مزید استحکام پیدا ہوتا ہے' ایقان کو مزید پختگی نصیب ہوتی ہے۔ جب باری تعالیٰ خود فرما رہا ہے کہ میں اپنے بندے کو رات کے ایک قلیل عرصے میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا۔ اس پر بھی عقل انسانی استعجاب کا مظاہرہ کرتی ہے۔ ذہنِ انسانی میں سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ وہ سفر جو ہفتوں اور مہینوں بلکہ ہزاروں سال کا تھا' وہ رات کے ایک تھوڑے سے وقت میں کیسے مکمل ہوسکتا ہے؟ (نسیم الریاض شرح شفا شریف قاضی عیاض میں ہے جب حضرت جبرئیل علیہ السلام سدرہ سے نازل ہونے کے لئے اِرادہ کرتے ہیں تو حضور نبی کریم ﷺ یہ سونگھ لیتے ہیں اور سمجھ لیتے ہیں کہ وہ آرہے ہیں۔ سدرہ کتنے اُوپر ہے؟ یہاں سے پہلے آسمان کا جو راستہ ہے وہ پانچ سو برس کا راستہ ہے اور آسمان کی موٹائی بھی پانچ سو برس کا راستہ ہے اور آسمان کی موٹائی بھی پانچ سو برس کے راستہ کی ہے۔ اور اب معلوم نہیں کہ پانچ سو برس کا راستہ کس سواری کا ہے۔اس کی کوئی صراحت نہیں ملتی' بہر حال پانچ سو برس کا راستہ ہے تو گویا ایک ہزار برس کا راستہ یہ آسمان اور ایک ہزار برس کا راستہ دوسرا آسمان' تو سات آسمان تک سات ہزار برس کا راستہ اور اس کے اُوپر سدرۃ المنتہیٰ ہے) اس کا جواب یہی ہے کہ اس کا انحصار تو لے جانے والے کی طاقت اور قوت پر ہے۔ اس سفر کا سارا انتظام رب کائنات کی طرف سے ہورہا ہے وہ جو ہر چیز پر قادر ہے۔ طاقت اور قدرت اس ذات کی کارفرما ہے جو اس کائنات کا خالق و مالک ہے کائنات کا ذرہ ذرہ جس کے حکم کا پابند ہے۔ وہ رب جو ﴿**إِنَّ اللّٰهَ عَلیٰ كُلِّ شَيۡءٍ قَدِيۡرٌ**﴾ کا مالک ہے۔ جو رب جو امر **كُنۡ فَيَكُوۡن** کی طاقت رکھتا ہے اور جس کے لئے کوئی چیز ناممکن اور محال نہیں۔ انسانی عقل اس کی قدرت مطلقہ کے ساتھ بے بس اور عاجز ہے۔ اگر یہ نکتہ ذہن نشین کرلیا جائے تو سفرِ معراج کی ساری حقیقت عیاں ہو جاتی ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ لے جانے والے کی کیسی طاقت ہے؟ رب تعالیٰ لے گیا۔ اب یہ دیکھو قادر مطلق لے گیا' پھر ہم کو لیجانے والے اور جانے والے دونوں کو دیکھنا ہے۔ لے جانے والے کی قدرت دیکھنی ہے اور اس جانے والے کی صلاحیت دیکھنی ہے۔ کسی نے پتھر پھینکا۔ کتنی دُور گیا' اس کی طاقت جتنی تھی اتنی دُور گیا۔ یہ جان لو کہ پتھر میں بھی تو کچھ جانے کی صلاحیت تھی۔ اگر اس میں جانے کی صلاحیت نہ ہوتی تو پتھر پھینکنے سے کیا

ہوتا۔ ہم نے صرف لیجانے والے کو دیکھا تو بات مکمل نہ ہوگی' لہذا عبدیت کے کمال کو' اس کے مقام کو' اس کی فضیلت کو ہمیں قرآن کی روشنی میں دیکھنا ہے کہ یہ جانے والا کتنی بلندی پر جانے والا تھا۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ اگر کوئی یہ کہے کہ انجن ایک پہاڑ کو کھینچ کر لے جارہا ہے تو آپ کہیں گے کہ انجن میں تو کھینچنے کی صلاحیت ہے مگر پہاڑ میں کھینچنے کی صلاحیت نہیں' یہ محال ہے۔ اگر یہ کہے کہ ریل کے ڈبے کو ایک چڑیا لے جارہی ہے یہ بھی محال ہے کیونکہ چڑیا میں کھینچنے کی صلاحیت ہی نہیں۔ اگر کوئی کہے کہ انجن ڈبوں کو کھینچ کر لے جارہا ہے یہ بات ٹھیک ہے۔ آگے والا چلانا جانتا ہے پچھلے والا چلنا جانتا ہے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ لیجانے والے کی کیا قدرت ہے اس کی قدرت کو تو سبھی جانتے ہیں۔ اس نے زمین کو فرش بنادیا' آسمان کا شامیانہ کھڑا کردیا' چاند سورج کو روشن کردیا' کائنات کو دیکھو اور اپنی زندگی کا مطالعہ کرو۔ میرے خدا نے آپ کو پیدا کیا' اس کے اندر حرارت دی' اس کے اندر سوزش پیدا کی اور اس کا قانونِ فطرت بنادیا کہ جو آگ میں جائے گا وہ خاکستر ہوجائے گا۔ اسی قادر مطلق نے یہ بھی طے کردیا تھا کہ اگر اس آگ میں میرا خلیل آئے گا اسے گل کدہ بنانا ہی پڑے گا۔ وہ قادر مطلق جس نے دریا کو بنایا' دریا کے اندر روانی بنائی اور روانی کے اندر طغیانی بنائی اور اس میں موجیں پیدا کیں۔ اگر اس میں جائیں تو دریا کسی قسم کی کوئی مدد نہیں کرے گا۔ دریا تم کو غرق کردے گا۔ یہ قانون ہے بدل نہیں سکتا۔ اس کے ساتھ اس نے یہ بھی طے کردیا تھا کہ اگر میرے کلیم نے عصا ماردیا تو پیچھے راستہ بھی دینا پڑے گا۔ میرا خدا وہ ہے جس نے چاند وسورج کو پیدا کیا۔ نظام شمسی وقمری کو مرتب کیا۔ اس طرح نکلے گا' اس طرح غروب ہوگا۔ ایک نقشہ متعین ہوچکا ہے۔ آج تک اس میں اختلاف پیدا نہ ہوسکا۔ قادر مطلق نے کہا اے سورج تجھے اپنی رفتار کو چھوڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اے چاند تجھ کو اپنی رفتار سے پھرنے کی ضرورت نہیں مگر حبیب (ﷺ) نے اشارہ کیا تو اے سورج تجھے پلٹنا پڑے گا۔ اے چاند تجھے دوٹکڑے ہونا ہی پڑے گا۔ میرا خدا وہ ہے جس نے پتھروں کو پیدا کیا اور عظیم الشان پہاڑوں کو زمین کے اوپر نصب فرمایا۔ سنگریزوں کو پیدا کیا' اُن میں نہ روح ہے نہ گویائی ہے نہ اُن میں سماعت

کی طاقت ہے۔ اگر ہم پتھروں کو سناتے رہو کچھ نہ سُنیں گے تم بات کرو کچھ جواب نہ دیں گے۔ اُن میں کوئی طاقت ہی نہیں وہ اپنے پر سے مکھی بھی اُڑا نہیں سکتے۔ یہ سب مجبور ہے۔ مگر سنو ! میرے خدا نے ایک قانون بنا دیا کہ اے پتھر و ہمیشہ کے لئے خاموش رہنا مگر میرے حبیب (ﷺ) اگر اشارہ کریں تو ابو جہل کے ہاتھ میں کلمہ پڑھنا۔ ذرا غور کرو نبی کی عظمت اور اُن کا مرتبہ اور اُن کا مقام۔ اُن کی منزل کو سمجھو۔

حضور ﷺ کی امتیازی شان : اللہ تبارک وتعالیٰ لے جا رہا ہے اور حضور نبی کریم ﷺ تشریف لے جا رہے ہیں۔ لے جانے والے کا مقام کیا ہے لیجانے والے کی نگاہِ رحمت میں اور لیجانے والے کی نگاہِ مشیت میں لیجانے والے کی نگاہِ قدرت میں اس جانے والے کی عظمت کیا ہے اس جانے والے کا مقام کیا ہے۔ لیجانے والا کیا ارشاد فرما رہا ہے ﴿**سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی**﴾ پاک ہے وہ ذات جو لے گئی۔ اللہ کے جلیل القدر نبی سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوۃ والسلام کہتے ہیں **انی ذاهب الی ربك** میں اپنے رب کی بارگاہ میں جانے والا ہوں تا کہ مجھے میرا رب منزل مقصود تک پہنچا دے۔ **انی ذاهب** میں جانے والا ہوں۔ جب جانے کی بات آئے گی تو ہر دیکھنے والے کی نظر اس جانے والے پر پڑے گی، کتنا جا سکتے ہیں۔ مگر جب ایک جانے والا چلا، ابھی اُن کی زبان بھی نہ ہلی تھی کہ رب نے کہا کہ میں لیجانے والا ہوں مگر یہ یاد رکھو کہ جانا اور ہوتا ہے بُلانا اور ہوتا ہے اور خود سے جانا اور ہوتا ہے۔ آپ اس کو روزمرہ کے مطالعہ سے سمجھو۔ حضرت سیدنا موسیٰ کلیم اللہ خود سے گئے تھے اُن کے لئے جبریل کی کیا ضرورت ہے۔ میکائیل کی کیا ضرورت ہے۔ یہ تو خود سے آئے تھے جب بُلانا ہوتا ہے تو انتظام کرنا پڑتا ہے۔ حضرت سیدنا موسیٰ کلیم اللہ نے کہا **ربی ارنی** اے رب میں تجھ کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **لن ترانی** تم نہیں دیکھ سکتے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اس مادی دُنیا میں دیکھنا ممکن نہیں۔ وہ اسی دُنیا میں دیدار کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ حضرت سیدنا موسیٰ کلیم اللہ نے کہا اے رب میں تو دیکھ نہیں سکتا مگر تو صلاحیت دیکھنے کی دے سکتا ہے۔ اے رب تو دِکھا دے۔ تب اللہ تعالیٰ نے ایک تجلی

دِکھا دی، وہ بھی سوئی کے ناکہ کے برابر۔ بعض کہتے ہیں کہ سوئی کے ناکہ کے کروڑ واں حصہ کے برابر۔ اتنی سی تجلی پڑی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو گئے۔ وہ بھی صفات کی تجلی ہوئی، وہ بھی نامکمل رہی، مگر کیا حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو کچھ ملا۔ یا۔نہیں؟ ہاں ملا ہے بہت کچھ ملا ہے۔ علماء یہ فرماتے ہیں کہ تجلی کا یہ اثر تھا کہ اندھیری رات میں پندرہ میل کے فاصلے پر سیاہ چٹان پر سیاہ چیونٹی چلے تو یہ اپنی آنکھ سے دیکھ لے سکتے تھے۔ اس تجلی کا یہ حال تھا جو خود گیا تھا اور بھرپور تجلی بھی نہ دیکھی اور تاب بھی نہ لا سکے۔ اب حضور سید المرسلین نبی کریم ﷺ کی بصارت کا کیا حال ہوگا۔ دونوں آنکھوں بھر دیکھا ﴿**مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی**﴾ (النجم/۱۷) آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی۔ آنکھ پھری تک نہ تھی، آنکھ میں کجی تک نہ آئی۔ سنو! صفات کی تجلی کو نہ دیکھا بلکہ عین ذات کی تجلی کو دیکھا۔ یہاں ایک طرف رسول اللہ ﷺ کے کمال تحمل کا بیان ہے کہ اس قدر انوار و تجلیات کے باوجود آپ کی نگاہ میں کوئی چکا چوند پیدا نہ ہوئی اور آپ پورے سکون کے ساتھ انہیں دیکھتے رہے دوسری طرف آپ کے کمال ضبط و یکسوئی کا اظہار ہے کہ جس مقصد کے لئے آپ کو بُلا یا گیا اس پر آپ کا ذہن اور اپنی نگاہ کو مرکوز کیے رہے اور حیرت انگیز مناظر ہونے کے باوجود ان کی طرف آپ متوجہ بھی نہ ہوئے۔ حضور ﷺ کی نگاہ مقدس دائیں بائیں نہ پھری اور نہ ہی دیکھنے میں کمی کی بلکہ اسے آپ ﷺ نے نہایت ہی تحمل سے ثابت رکھا۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ نے جب صفات کی ایک تجلی دیکھی تو بصارت اتنی بڑھ گئی، جو عین ذات کو دیکھا تو بتاؤ کہ غیب کا وہ کونسا گوشہ ہوگا جو اُس کی نظر سے چھوٹ جائے؟ کونسی گلی ہوگی جو اس کی نظر سے چھپ جائے؟ وہ کونسا راز ہوگا جو اُس کی نظر سے پوشیدہ ہو جائے؟ میں سوچتا ہوں کہ جب غیب العیب نے اپنے کو نہ چھپایا تو وہ کونسا غیب ہے جو اپنے کو چھپائے۔

شہزادۂ حضور غوث اعظم مخدوم الملت محدث اعظم ہند سید محمد اشرفی جیلانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

غیب کیا چیز ہے! دیکھ آئے ہیں وہ غیب الغیب یعنی وہ ذات جو مشہور ہے سبحان اللہ

امام اہلسنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا جب نہ خدا ہی چُھپا تم پہ کروڑوں درود

عشق اور عقل کا امتحان : حضرت موسیٰ کلیم اللہ کا واقعہ ہے کہ جب کوئی اُن سے آنکھ ملاتا اُس کی بینائی چلی جاتی۔ انتہا جلال کی یہ ہے کہ اگر پتھر کو بھی آنکھ لگائے تو پتھر ٹکڑے ہو جائے' کپڑے کو آنکھ لگائے تو کپڑا ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔ اس کے بعد ہدایت ربّانی ہوئی کہ کسی عاشق الٰہی کے پیرہن کے دامن کا حجاب بنالو۔ یہی وہ دامن ہے جو اشتیاق میں جل کر تیار ہوا ہے اب اس کو کون جلائے گا۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ نے حجاب تیار کرلیا اور چہرہ پر ڈال لیا اور ڈالنے کے بعد حضرت صفورہ کے پاس پہنچے۔ انہوں نے کہا کہ یہ کیا غضب کی بات ہے کہ آج تک کسی شوہر نے اپنی بیوی سے پردہ کیا ہے۔ اپنے چہرہ سے نقاب ہٹائیے۔ انہوں نے کہا کہ تم کو اب میرے چہرہ کے دیکھنے کی طاقت نہیں ہے۔

حقیقتِ نورِ محمدی ﷺ : حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ **لی مع الله وقت لا یسعنی فیه ملك مقرب و لا نبی مرسل** میرے لئے میرے رب کے ساتھ ایسا وقت بھی آتا ہے کہ وہاں ملک مقرب یعنی قریبی فرشتے کی گنجائش ہے نہ نبی مرسل کی گنجائش ہے۔ سفرِ معراج میں سیدنا جبرئیل علیہ السلام ساتھ ہیں اور سرکار ﷺ ساتھ ساتھ جا رہے ہیں اور اس کے بعد عالم بشریت کو طے کیا۔ جب ہمارے رسول نے آسمان کی سیر کا ارادہ فرمایا' عرش پر جانے کا ارادہ فرمایا تو عالم بشریت میں لباس بشری کے ساتھ نظر آئے۔ عالم ملکوت میں لباس ملکی کے ساتھ دیکھے گئے۔ جہاں پہنچ رہے ہیں وہاں کا لباس اختیار فرما رہے ہیں۔ عالم بشریت کے بعد عالم ملکوت کو طے کیا' عالم ارواح' عالم عناصر سب کو طے کرتے ہوئے میرے رسول ﷺ ایک ایسی منزل پر پہونچے جہاں جبرئیل علیہ السلام سے اللہ کے رسول نے کہا اے جبرئیل یہاں کیوں ٹھہر رہے ہو' یہاں رفاقت کیوں ختم ہو رہی ہے۔ مکہ سے تمہارا ساتھ ہے' سدرہ پر آکر کیوں ٹھہر گئے؟ آگے چلو' سیدنا جبرئیل نے کیا معروضہ پیش کیا تھا جس کو شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زبان میں یوں فرمایا ہے:

اگر یک سر موئے برتر پرم   فروغ تجلی بسوزد پرم

یارسول اللہ ﷺ ! اگر ایک بال کے برابر بھی آگے بڑھ جاؤں گا تو تجلی کے فروغ سے

میرے پَر جل جائیں گے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے عرض کرنے کا منشاء یہ ہے کہ اے اللہ کے رسول ﷺ جب آپ عالم بشریت میں تھے' لباس بشری میں تھے۔ میں آپ کے ساتھ ساتھ تھا اور جب عالم ملکوتی میں تھے' میں آپ کے ساتھ ساتھ تھا۔۔مگر اے محبوب ! اب آپ کی حقیقت بے حجاب ہونے والی ہے۔ سرکار اگر میں آپ کے ساتھ چلا تو آپ کی تجلی کے فروغ سے میرے پَر جل جائیں گے **اللھم صل علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ آل سیدنا محمد کما تحب وترضی بان تصلی علیه** اب میں آپ کے ساتھ رہنے کی صلاحیت نہیں رکھتا' اب میں آپ کے ساتھ چلنے کی استعداد نہیں رکھتا۔۔اب میں آپ کی حقیقت کی تاب لانے کی قوت وتوانائی نہیں رکھتا۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے کہنے کا منشاء یہ تھا کہ اگر میں ایک بال کے برابر بھی اُوپر گیا تو اللہ تعالیٰ کی تجلی سے میرے پَر جل جائیں گے۔

اچھا دیکھو جبرئیل علیہ السلام کیا کہتے ہیں۔ اگر میں اُوپر گیا تو اللہ تعالیٰ کی تجلی کے فروغ سے میرے پَر جل جائیں گے۔ تو پھر اس کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام کو یہ کہنا چاہئے تھا اے اللہ کے رسول ! آگے نہ جایئے' میرا مشورہ مان لیں۔ ٹھہر جایئے' کہاں جارہے ہو۔۔اس لئے کہ جب سدرہ والا جل سکتا ہے تو مکہ والا کیسے بچ سکتا ہے۔ جب معصوم فرشتہ جل سکتا ہے تو دھرتی پر رہنے والا کیسے بچ سکتا ہے۔ جب نوری مخلوق جل سکتی ہے تو اے محبوب آپ کی بشریت کی ترکیب تو عناصر اربعہ سے ہوئی ہے تو آپ کیسے بچ سکتے ہیں۔ میرا معروضہ آپ قبول فرمائیں' مجھے آپ کہاں دعوت دے رہے ہیں۔آپ بھی ٹھہر جایئے۔بڑی خطرناک منزل ہے۔۔۔ ایسا نہیں ہوا بلکہ سیدنا جبرئیل علیہ السلام نے حضور ﷺ کو سدرہ کے آگے جانے دیا اور خود رُک گئے۔ معروضہ تک پیش نہ کیا۔۔تو پتہ چلا کہ سیدنا جبرئیل علیہ السلام' رسول اللہ ﷺ کو اپنی طرح نہ سمجھتے تھے اور اپنے کو رسول اللہ ﷺ کی طرح نہ سمجھتے تھے۔اگر رسول اللہ ﷺ کو اپنی طرح سمجھتے تو ٹھہرا لیتے۔۔اور اپنے کو رسول اللہ ﷺ کی طرح سمجھتے تو آگے بڑھ جاتے۔

اے عقل والو! اے دین والو! اے قیامت کی تپتی ہوئی دھوپ میں رسول اکرم ﷺ کی

شفاعت کے امیدوارو! میں تمہیں دعوتِ غور وفکر دے رہا ہوں کہ سید الملائکہ اپنی طرح نہ سمجھ سکے' قرآن وانجیل وزبور کالانے والا اپنی طرح نہ سمجھ سکے' صاحب سدرہ اپنی طرح نہ سمجھ سکے' تو اب اگر دو ٹانگ کا جانور اپنی طرح سمجھے تو اُس کی دماغ کی خرابی نہیں تو اور کیا ہے

اللھم صل علٰی سیدنا محمد وعلٰی آل سیدنا محمد کما تحب وترضی بان تصلی علیہ

حضرت صفورہ کا امتحانِ عشق : حضرت جبریل علیہ السلام کو جلنے کا خطرہ دامن گیر ہوگیا کیونکہ جبریل عقل والے تھے۔عشق والے بلال ہوتے تو محبوب کا دامن نہ چھوڑتے جل کر خاکستر ہوجاتے۔ حضرت صفورہ عشق والی تھیں۔فریاد کرنے لگی کہ نقاب ہٹایئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام آمادہ ہوگئے' نقاب اُٹھانے پرصفورہ نے ایک آنکھ بند کرلی اورایک آنکھ سے دیکھا۔پھراُسے بند کرلیا پھر دوسری آنکھ سے دیکھا۔پھراسے بند کرلیا پھر دوسری آنکھ سے دیکھا۔کیونکہ دونوں سے ہر بار دیکھنے میں ہر بار لذت ملے۔جن آنکھ سے دیکھا اُس کی بینائی غائب۔پھر کھول دیا تو بینائی آئی۔بند کیا تو بینائی غائب۔ بینائی آرہی ہے اور جارہی ہے۔ عشق والوں نے یہ سبق سکھا دیا کہ جو آنکھ لینا جانتا ہے وہ آنکھ دینا بھی جانتے ہیں۔

فرش والے تیری شوکت کا علو کیا جانے   خسروا عرش پر اُڑتا ہے پھریرا تیرا

میں انبیاء کے واقعات قرآن کی روشنی میں رکھوں کہ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ لسلام نے عرض کیا کہ اے باری تعالیٰ ! مجھے قیامت کے دن رُسوا نہ کرنا۔آپ کی طرف رُسوائی کا سوال ہی کیا۔ آپ کے دامن سے کتنے رُسواؤں کونجات ملے گی لیکن بندہ کو حق ہے کہ وہ جیسا چاہےسوال کرے۔ یہاں سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی رُسوائی کا سوال نہیں' یہ تو سیدنا خلیل نے سوال کیا۔ میرے حبیب (ﷺ) کا انداز دیکھو۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قیامت کے دن اللہ اپنے نبی کو رُسوا نہ فرمائے گا۔ خلیل فرماتے ہیں' حبیب کو کچھ بولنے کی ضرورت نہیں۔فیصلہ قدرت ہوچکا کہ تم کو اور تمہارے چاہنے والے جو اُمتی ہیں اُن کو بھی رُسوا نہ فرمائے گا۔ اسی معراج کا واقعہ ہے جو اسی کی مناسبت سے ہے جب بارگاہ رب العزت میں حضور ﷺ حاضر ہوئے اور حکم ہوا کہ اے حبیب (ﷺ) بتلاؤ کیا

تمہیں اس بات کا غم ہے کہ میں تمہیں آخری نبی بنایا۔فرمایا: نہیں ۔ کیا تمہیں یہ غم ہے کہ تمہاری اُمت کو آخری اُمت بنایا۔فرمایا: نہیں ۔ جاؤ آپ کی اُمت کو خبر دو کہ میں تمہیں آخر میں اس لئے بھیجا ہوں تا کہ ساری اُمتیں اس کے سامنے رُسواء ہوں' وہ کسی کے سامنے رُسوا نہ ہو۔ اس کے بعد کوئی اُمت ہی نہ آئے گی ۔ تمہارے سامنے اُمت لوط کا ذکر آئے گا اور ہنسے گی ۔قوم ہود کا ذکر آئے گا دوسری اُمت ہنسے گی مگر تمہاری اُمت کے بعد کوئی اُمت آئے گی ہی نہیں جو ذکر کرے اور ہنسے ۔ دیکھو جب کسی اُمت کے سامنے ہم کو رُسوا کرانا نہیں چاہتا۔ اے ایمان والو ! اے عشق ومحبت رکھنے والو ! جب یہ خدا تمہیں یہاں رُسواء کرانا نہیں چاہتا' جب ساری اُمتیں جمع ہوں گی وہاں کیسے رُسواء کرے گا۔

فرش والے تیری شوکت کا علو کیا جانے   خسروا عرش پر اُڑتا ہے پھریرا تیرا

کیا مقام ہے مرسلین اور انبیاء کے درمیان سرکار مدینہ حضرت محمد مصطفٰی ﷺ کا۔ معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتوں کو مہمان بنا کر بھیجا۔ جب مہمان آئے تو میزبان خود اس کی خدمت میں رہ جاتا ہے' چاہے وہ کتنا ہی بزرگ کیوں نہ ہو۔ جب فرشتوں کو میرے حبیب حضرت محمد مصطفٰی ﷺ کے پاس بھیجنے کی بات آئی تو فرمایا تمہارے رب نے تمہیں پانچ ہزار شان والے فرشتوں کے ذریعہ مدد کی' ملائکہ کو مددگار بنا کر بھیجا اور لشکر کے ذریعہ تمہاری مدد کی گئی ۔ ذرا سا غور تو کرو' میرے رسول کی بارگاہ میں جب بھیجا گیا تو مہمان بنا کر نہیں بھیجا گیا بلکہ سپاہی بنا کر بھیجا گیا' مددگار بنا کر بھیجا گیا' خدمت گذار بنا کر بھیجا گیا۔ مہمان آیا تو اپنی خاطر کرانے کے لئے' سپاہی آئے ہیں جو حکم کا انتظار کر رہے ہیں۔

مجھ سے مت پوچھ معراج کا واقعہ ہے مشیت کے رازوں کا اک سلسلہ
دل کو ان کی رسائی پہ ایمان بھی' عقل ایسی رسائی پہ حیران بھی
اگر خموش رہوں میں تو تو ہی سب کچھ ہے   جو کچھ کہا تو تیرا حُسن ہوگیا محدود

وَاٰخِرُ دَعْوٰنا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعالَمِیْن

وَصَل اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلیٰ خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمّدٍ وَاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْن